ڈاکٹر قمر زمان

Revised on 10/08/2012

یہ کتاب آپ کی خدمت میں تحفتاً پیش کی جارہی ہے

* * *

سلسلہ دعوت قرآنی کی شائع کردہ کتب اب انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔

جہاں پر آپ ان کتب پر تبصرے اور سوالات بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

http://www.aastana.com

فہرست مضامین

PUBLISHED BY:

سلسلہ دعوت قرآنی

پوسٹ بکس نمبر 11037، لاہور، پاکستان

Phone : +92 331 4851184

ابتدائیہ

ہر مذہب کی بنیاد چند رسومات اور عقائد پر ہوتی ہے مثلاً

ا۔۔۔ہر مذہب میں خالق کی پرستش کے لئے کوئی نہ کوئی رسم عبادت ہوتی ہے جو اس مذہب کی جڑ بنیاد سمجھی جاتی ہے اور

۲۔۔۔دوسری رسم میں انسان خود سوزی میں مبتلا نظر آتا ہے۔ خواہ وہ خود کو بھوکا رکھ کر خالق کو خوش کرتا نظر آئے یا اپنے جسم پر کسی اور انداز سے ظلم کرتا ہو۔

۳۔۔۔تیسری رسم جو مشترک نظر آتی ہے وہ ہے زیارت یا تیرتھ یاترا۔ کہیں اللہ کے مقرب بندوں کی قبروں کا تصور ہے تو کہیں ولی اللہ یا خالق کی ذات سے منسوب اینٹ پتھر کی بنی عمارت۔

۴۔۔۔اور ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ خیرات وصدقات کا تصور بھی موجود ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ چند عقائد بھی بہت محکم سمجھے جاتے ہیں۔ جس میں خدا کا تصور خواہ کسی شکل میں ہو ضرور موجود ہوتا ہے۔ وہ خدا ایک ہو یا کئی خداؤں کا خدا ہو۔ بحر حال خدا کا تصور ضرور ہوتا ہے، جس سے منسوب عقائد کو ماننا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ اور اس کے ماننے کا اظہار بھی لازمی ہے۔

ایک پیغامبر یا اوتار کا تصور بھی مذہب کا لازمی حصہ ہے۔ اس پیغام رساں کو رسول کہئے یا نبی یہ خالق کا بڑا خاص الخاص بندہ ہوتا ہے۔ جس انداز سے اس کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں وہ انسان بالکل نہیں لگتے وہ مافوق البشر مخلوق لگتے ہیں۔ اور ان کا اسوہ حسنہ صرف تعریف کرنے کی حد تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس پر عمل کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بنا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ایسے بلند کردار اشخاص ہوتے ہیں جو خالق کے احکامات پر چلنے کی وجہ سے انسانوں میں سب سے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز کرنے کے لائق ہوتے ہیں۔ لیکن اس مافوق البشری مخلوق سے منسوب ہر غلو کو ماننا

لازمی ہوتا ہے ورنہ خارج از مذہب تصور کیا جاتا ہے اور اس ہستی کی شان میں گستاخی۔ اس ہستی کے رشتے دار اور دوست احباب تو اس سے بھی بڑھ کر مافوق البشر اور مافوق الفطرت نظر آتے ہیں اس لئے ان کو ماننا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ان سب سے منسوب روایات کچھ اس طرح انسان کو جکڑتی ہیں کہ وہ ان ہستیوں کے متعلق سوچنا بھی گوارہ نہیں کرتا اور جو کچھ اس کو ان ہستیوں کے نام پر مل رہا ہوتا ہے وہ من و عن قبول کرتا ہے۔

صدیاں گزرنے کے بعد بھی اگر کوئی انسان ان ہستیوں سے قرابت کا دعویدار ہو جیسے مخدوم، سید ،اور سجادہ نشیں وغیرہ تو وہ بھی بے چارے مقلدوں کے لئے بہت متبرک اور برگزیدہ ہوتا ہے بحر حال مذہب چند رسومات اور عقائد کا ایک ایسا گورکھ دھندہ ہے جس کے متعلق سوال بھی کرنا ناقابل قبول اور فتووں کا باعث بنتا ہے۔

مروجہ اسلام بھی انہی مذاہب میں سے ایک مذہب ہے۔ صرف ناموں کے فرق سے وہی عقائد اور کچھ حرکات و سکنات کے فرق سے عربی خانہ بدوشوں کی ثقافت کا رنگ لئے وہی رسومات موجود ہیں اور ہر مذہب کی طرح سوچنا اور سوال کرنا انتہائی خطرناک بات ہے۔

یاد رکھئے قرآن میں کسی پرستش کی گنجائش نہیں ہے خواہ وہ نماز کے نام پر کی گئی ہو، یا روزے کے نام پر بھوکا پیاسا رہ کر، یا ناپاک مال کا ڈھائی فیصد دیکر پاک کرنا ہو یا کسی اینٹ پتھر کے گھر کو خدا سے منسوب کرکے اس کی زیارت بنا کر۔

میں دوسرے مذاہب پر تنقید کرنا اپنا حق نہیں سمجھتا سب سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ دوسرے مذاہب کے جن عقائد یا رسوم پر ہم تنقید کررہے ہیں کہیں وہ ہمارے اندر بھی موجود تو نہیں۔ اس لئے آیئے سب سے پہلے خود اپنے عقائد و رسوم کا قرآن کی بنیاد پر جائزہ لیں۔

میرے وہ دوست جو میری پہلی کتابوں سے ناواقف ہیں ان کے لئے عرض ہے کہ میں اسلام کو صرف اور صرف قرآن میں پاتا ہوں۔ اسلام کو عبادات اور عقائد میں مقید ایک مذہب نہیں

سمجھتا بلکہ انسانی معاشرہ میں زندہ افراد کے آپس کے تعلقات کا ضابطہ سمجھتا ہوں۔ اور اس ضابطہ حیات کو صرف اور صرف قرآن سے ہی سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔

مجھے ان مستند علماء سے اتفاق ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ نام نہاد روایات جو رسالتماب سے منسوب کر دی گئی ہیں اس لائق نہیں کہ انہیں رسالتماب سے منسوب کیا جائے اور ان کے ذریئے قرآن کو سمجھا جائے۔

اور یہی وجہ ہے کہ ان نام نہاد اقوال کو بیان کرنے کے بعد " او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم " کہنا لازمی ہوتا ہے۔ اس عربی جملے کا مطلب ہے " یا جیسا رسالتماب نے کہا ہو" یعنی کسی بھی غلط بات کو رسالتماب سے منسوب کرنے کے بعد یہ کہہ دینا کہ، میں نے تو جو بیان کرنا تھا وہ کر دیا اب اگر ایسی بات رسالتماب نے نہیں کہی تو جیسی انہوں نے فرمائی ہو۔ یہ ایک مجہول جملہ کہہ کر جھوٹ کو رسالتماب سے منسوب کر دینا انتہائی خیانت ہے اور اپنی بات کو وزن دینے کے لئے بلا وجہ رسالتماب سے منسوب کرنا انتہائی زیادتی ہے۔

اس لئے دین کو سمجھنے کے لئے نام نہاد احادیث کے نام پر جو کچھ ملا ہے قطعاً ضروری نہیں بلکہ ضرر رساں ہے جس سے دین کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ دین اگر سمجھنا ہے تو صرف قرآن سے سمجھئے اور آپ حیران ہونگے کہ قرآن کو سمجھنے کے بعد آپ پر کس طرح عیاں ہو جائے گا کہ احکامات الٰہی اول سے آخر تک ایک ہی رہتے ہیں کبھی کسی وقت غلط نہیں ہوتے۔ آج بھی اسی طرح کامیاب ہیں جس طرح رسولوں کے زمانے میں تھے۔

ان احکامات میں کبھی ردوبدل نہ ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ خالق کائنات کے احکامات حالات کی تبدیلی کی وجہ سے بدلا نہیں کرتے اور نہ ہی کبھی ناکام ہوتے ہیں۔ انہیں کسی زمانی یا مکانی واقعہ کیوجہ سے نازل نہیں کرنا پڑتا۔ اسی لئے الٰہی احکامات نہ صرف آخری ہیں بلکہ ہر زمانے میں آخری رہے۔

آیئے اب زیر مطالعہ موضوع یعنی صوم سے متعلق قرآنی آیات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس کتاب میں وہ تمام آیات جہاں صوم کا ذکر آیا ہے زیر مطالعہ لائی گئی ہیں۔

بار دوم

بار اول میں قارئین کو شکایت ہوئی کہ عربی قوائد کی وجہ سے بہت کچھ انکو سمجھ نہ آ سکا۔اس لئے بہتر ہے کہ اسے آسان کیا جائے۔شکایت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بار کوشش کی گئی ہے کہ قوائد کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ مفہوم کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

تمام مفسرین کے مطابق قرآن نے سورۃ البقرہ کی آیات ۱۸۳ سے ۱۸۸ کے علاوہ پانچ مقامات پر روزے کو بطور سزا بیان کیا ہے۔لیکن آیت ۱۸۳ کی ابتدا ہی حیران کن ہے جہاں فرمایا گیا کہ روزے اس لئے فرض کئے گئے کہ تم متقی بنو۔ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک عمل پانچ مقامات پر بطور سزا بیان کیا گیا ہو اور چھٹی جگہ پر بطور نعمت بیان کیا جائے۔یہ ہو نہیں سکتا کہ اس قسم کی جسمانی آزمائش ایک جگہ بطور سزا بیان کی جائے اور وہی سزا دوسری جگہ متقی بننے کے لئے بیان ہو۔اور اگر اس جگہ بھی بطور سزا بیان ہوئی ہے تو پوری امت کو روز اول سے کیونکر سزا دی گئی۔کیا مسلم امت روز اول سے اسی لائق رہی ہے یا یہ کہ صیام بھوکا رہنے کا نام نہیں بلکہ کچھ اور ہے؟

کچھ دوستوں نے اس سے پہلے ایڈیشن میں اس جملے کو کہ " قرآن میں پانچ جگہ روزے بطور سزا بیان ہوئے ہیں " مجھ سے منسوب کر دیا۔میں اس پر ان سے ایک مرتبہ پھر عرض کر دوں گا کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ان کے مفسرین ہی کی بات ہے۔میں تو روزے ہی کو نہیں مانتا تو اس سے متعلق سزا ہونے یا نہ ہونے کو کیونکر مانوں گا۔

دیکھا جائے تو مسلمانوں کی آپس کی جنگیں اور آج مسلمانوں کی حالت اس بات کا تقاضہ کر رہی ہے کہ ان کو ایک ماہ سے زیادہ سزا ملنی چاہئے۔آج ان کی حالت زار اس بات پر گواہ ہے کہ یہ روزے بطور سزا تو مسلمانوں کو دئے جاسکتے ہیں لیکن کیا ان روزوں سے کبھی کوئی امت متقی بن سکتی ہے؟

یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کسی دور میں بھی ان روزوں کے ذریعے متقی نہیں بنے۔ جس انداز سے مسلمان قوم ان روزوں کے ایام میں بد نظمی کا شکار ہوتی ہے اس کی مثال نہیں ملتی افطار کے وقت سڑکوں پر ٹریفک کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ دکانوں میں خورد و نوش کی چیزیں غائب ہو جاتیں ہیں۔ ضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافہ دفاتر میں کام کرنے والوں کی کام سے لاپرواہی اور اوقات کار میں غائب ہونا وغیرہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ روزہ متقی نہ تو بنا سکا ہے اور نہ ہی بنا سکتا ہے۔ متقی بننا تو دور کی بات اس کا الٹا ہی اثر ہوتا ہے۔

صوم کی حقیقت

صوم کا مادہ ''ص و م'' ہے جس کے بنیادی معنی ہیں رکنا، تھمنا، **صام الفرس**: گھوڑا چارہ کھانے سے رک گیا یا گھوڑا چلنے سے رک گیا۔ **صام الماء**: پانی کا رک جانا، **صام الریح**: ہوا چلنے سے رک گئی۔ **صام عن الطعام**: آدمی کھانے سے رک گیا۔ صیاماً اور صوماً مصدر ہیں جس کے معنی ہونگے کسی کام سے رکنا۔ القاموس الوحید میں صفحہ نمبر 935 پر الصوم کے معنی درج ہیں ''کسی بھی قول یا فعل سے رکنا'' اور مذہب اسلام میں اسے کھانے سے رکنے کے معنی میں لیا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ میں صیام آیت نمبر 183 سے آیت نمبر 188 تک بیان کیا گیا ہے اور انہیں آیات سے مروجہ روزہ ماخوذ کیا جاتا ہے۔ اس لئے آیئے براہ راست سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 183 سے مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔

سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۸۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ()

اے اہل ایمان تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلوں پر کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بنو۔ (عمومی ترجمہ)

اس عمومی ترجمے سے ہی کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ صوم کا مقصد انسان کو متقی بنانا ہے۔ متقی کون ہوتا ہے۔۔؟ متقی کی کیا کیا خصوصیات ہوتی ہیں۔؟ اسے کیا کچھ کرنا ہے کہ وہ متقی بن سکے۔۔؟ آیئے ان سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لئے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 177 کا مطالع کرتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ متقی کون ہوتا ہے۔ اور وہ کیا کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔۔۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ()

یہ ہر گز نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو، لیکن نیک تو وہ ہے کہ جو اللہ کے احکامات، آخرت، ملائکہ، کتاب اور نبیوں کے ساتھ امن قائم کرتا ہے اور جس نے اپنا مال باوجود اس کی محبت کے اپنے قرابت والوں، یتیموں، مسکینوں، اللہ کے رستے پر چلنے والوں اور ضرورت مندوں اور مصیبت میں پھنسے لوگوں کو دیا اور وحی کے احکامات پر مبنی نظام قائم کیا اور معاشرہ کی خوشحالی کا فریضہ انجام دیا اور جب بھی عہد کیا تو اس کو پورا کیا اور ہر مشکل، تکلیف اور جنگ کی حالت میں ثابت قدم رہنے والے بنے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی تو وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

اس آیت کا آخری حصہ ذہن میں رکھیئے کہ اوپر کی کیفیات جو بیان ہوئی ہیں، جن اشخاص میں پائی جائیں گی وہی لوگ تو حقیقتاً متقی کہلانے کے لائق ہیں اور اس حقیقی تقویٰ کے جو چند اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان کو ہم پھر ذہن نشین کر لیں اور غور کریں کہ متقی کون ہوتا ہے۔ اور سوچیں کہ کیا یہ بھوک پیاس کا روزہ یہ اوصاف کسی انسان میں پیدا کر سکتا ہے۔۔۔۔۔۔؟؟؟

ا۔ جو شخص وحی کے احکامات، آخرت، ملائکہ، کتاب اور نبیوں کے ساتھ مومن ہو۔ یعنی وحی الٰہی کے ذریعے امن قائم کرے۔، جب بھی اس کے اعمال کے نتائج سامنے آئیں تو امن ہی ظہور پزیر ہو۔، نافذین احکامات کے ساتھ امن کی کیفیت میں رہے۔، تمام قوانین کی تابعداری امن کے ساتھ کرے۔، اور تمام صدور مملکت کے ساتھ امن میں رہے۔

۲۔ اپنامال باوجود اس کی محبت کے اپنے قریب والوں کو، یتیموں، مسکینوں، قوانین قدرت پر عمل پیرالوگوں کو، ضرورت مندوں کو اور مصیبت میں پھنسے لوگوں کو دیتا ہے۔

۳۔ وحی کے احکامات کے مطابق صلواۃ کا نظام قائم کرتا ہے۔

۴۔ انسانیت کے لئے خوشحالی کا باعث بنتا ہے۔

۵۔ جب بھی وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے۔

۶۔ ہر مشکل، تکلیف حتیٰ کہ جنگ کی حالت میں بھی ثابت قدم رہتا ہے۔

کیا بھوک پیاس والا روزہ ان اوصاف کو کسی بھی مسلمان میں پیدا کر سکا ہے یا آج پیدا کرتا ہے؟۔۔۔۔۔ جی نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بالکل نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان اوصاف کو پیدا کرنے کے لئے ایک ایسے نظریئے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو محکم احکامات پر مبنی ہو، جن کے نتائج کی ضمانت یقینی امن ہو، جن پر انبیاء نے عمل پیرا ہو کر منافذین احکامات کی پشت پناہی کے ذریعے امن قائم کیا ہو۔ اس کا ہر پہلو انسان کے اندر معاشرے کی خوشحالی کا ضامن بنے۔ وہ معاشرے کے مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت میں ہر وقت تیار رہیں۔ ان کے لئے اپنے مال سے انفاق کرتے رہیں۔ انسانیت کو زکوۃ کے ذریعے مزکی بنائیں جو کبھی جھوٹ نہ بولیں اور جو زبان سے بولیں اسے پورا کریں۔ یعنی عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور ہر حالت میں خواہ چھوٹی مشکل ہو یا بڑی ثابت قدم رہیں۔ ان اوصاف حمیدہ کو پیدا کرنے کا نام صوم ہے۔ اور وہ لوگ جب ان اوصاف حمیدہ کو پیدا کر لیتے ہیں تو حقیقتاً متقی کہلاتے ہیں۔

سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۸۴

آیئے سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۴ کا مطالعہ کرتے ہیں اور مترجمین اور مفسرین کی غلطی کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔

أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ

یہ گنے ہوئے دن ہیں پس جو بھی تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے ایام میں روزے رکھے۔ اور وہ لوگ جو روزے رکھنے کی طاقت رکھیں (اور روزہ نہ رکھیں) تو مسکین کو کھانا کھلائیں۔ (عمومی ترجمہ)

یہ ہے وہ ترجمہ جس میں ہر مترجم اپنی بساط کے مطابق گھپلا کرتا ہے۔ کچھ مفسرین کہتے ہیں **یطیقونہ** سے پہلے "لا" بمعنی "نہیں" محذوف ہے۔

جیسے کہ اوپر کے ترجمے سے ظاہر ہو رہا ہے۔۔۔۔ یہ ترجمہ بھوک پیاس کا روزہ ذہن میں رکھ کر کیا گیا ہے۔

اب سوچئے کہ۔۔۔ روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے کے باوجود وہ روزہ نہیں رکھ رہا ہے اور ایک بندے کو کھانا کھلا کر روزے کی فرضیت سے آزاد ہو رہا ہے۔۔۔۔۔!

اسی لئے "نہیں" کو اپنی طرف سے زبردستی قرآن میں گھسا کر ترجمہ کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ یاد رکھئے۔۔۔ ترجمے میں " نہیں" کا لفظ موجود نہیں ہے۔۔

مترجمین ترجمہ کرتے ہیں "جو شخص روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود روزہ نہ رکھے تو مسکین کو کھانا کھلا کر اس کو بدلہ دینا ہے"۔

اس عمومی ترجمے سے زیادہ صریح قرآن میں تحریف کیا ہو گی؟ دوسروں کو تو ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے کلام میں تحریف کی ہے اور خود کیا کر رہے ہیں؟

کچھ لوگوں کو یہ بات پسند نہیں آئی تو انہوں نے دوسری طرح سے کھینچ تان کی اور کہا کے **یطیقونۃ** سے مراد "وہ لوگ ہیں جو بہت طاقت لگا کر روزہ رکھیں"۔۔ اور اپنی طرف سے کہا کہ ایسے لوگوں کو سہولت فراہم کی گئی کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور مسکین کے کھانا کھلانے کا انتظام

کر دیں۔ ظاہر ہے یہ توجیہہ بھی ذہن میں بھوک پیاس کا روزہ رکھ کر پیش کی گئی ہے اور قرآن میں تحریف کا ایک منفرد انداز ہے۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

پس جس نے خوشی سے نیکی کی تو وہ اس کے لئے خیر ہے اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کو معلوم ہو (عمومی ترجمہ)

یہاں لفظ " تَطَوَّعَ " آیا ہے جس کا مادہ "ط و ع" ہے اور معنی اطاعت کرنے کے ہیں۔ یعنی جس نے خیر کی اطاعت کی تو اسی کے لئے خیر ہے۔

قرآن نے اسی سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۰۵ میں بتا دیا ہے کہ "خیر" وحی الٰہی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں۔

مَّا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم مِّنْ خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

جو لوگ کافر ہیں (خواہ) اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے وہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے اوپر کوئی خیر نازل ہو۔ حالانکہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص کرلیتا ہے اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔

دوسری بات کہ یہاں خوشی سے نیکی کرنے کی بات کہاں سے آگئی ۔۔؟؟۔۔ بات تو ہو رہی ہے اطاعت کی ۔۔۔۔!!!یعنی جس کسی نے احکامات الٰہی کی اطاعت کی تو وہ اسی کے لئے خیر ہے۔۔

اس سے پہلے کہ اس کے عمومی ترجموں پر کچھ بات کی جائے۔۔ ایک سوال پر خوب غور کرلیجئے۔

ا۔۔ کیا وجہ ہے کہ آیت نمبر ۱۸۳اور ۱۸۴ میں خطاب مومنین سے ہے اور ضمائر بھی مخاطب کے استعمال ہوئے ہیں جیسے۔۔۔ عَلَيْكُمُ ۔۔ قَبْلِكُمْ۔۔ مِنكُم۔۔ لَّكُمْ۔۔؟؟؟؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

جبکہ آیت نمبر ۱۸۵ کے عمومی ترجمے سے معلوم ہو رہا ہے کہ خطاب بالعموم انسان سے ہے قرآن کا مقصد انسانیت کی بھلائی ہے۔

سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۸۵

آیئے آیت نمبر 185 کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ()

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ھدایت ہے اور الھدیٰ سے وضاحتیں ہیں اور فرق کرنے والا ہے۔ پس جو بھی اس ماہ میں موجود ہو تو وہ روزہ رکھے اور وہ جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو گنتی کرنا ہے دوسرے ایام میں۔ اللہ چاہتا ہے تمہارے لئے آسانی اور نہیں چاہتا تمہارے لئے مشکل تاکہ تم تعداد پوری کرو اور اللہ کی کبریائی قائم کرو ان بنیادوں پر جن پر تم کو ھدایت دی گئی اور تاکہ تم اسکی نعمتوں کا شکر کرو۔ (عمومی ترجمہ)

یہ ہے وہ عمومی ترجمہ جو آپ کو مختلف تراجم قرآن میں ملتا ہے۔ اس ترجمے سے معلوم ہوا۔۔۔

ا۔ قرآن رمضان کے مہینے میں اتارا گیا۔ حالانکہ یہی لوگ کہتے ہیں کہ قرآن 23 سال کے عرصہ میں اتارا گیا۔ اس لئے کہانی گھڑتے ہیں کہ قرآن کے اترنے کی شروعات رمضان میں ہوئی۔ لیکن تسلی نہ ہوئی تو دوسری کہانی گھڑی کہ عرش معلی سے اتر کر سب سے نچلے آسمان پر رمضان میں لایا گیا اور بتدریج وہاں سے اتارا گیا۔ بحر حال کوئی کہانی تو گھڑنی ہی پڑے گی۔

دیکھیئے ماہ رمضان کا نام رمضان کسی صورت وحی الٰہی کے تحت نہیں رکھا گیا کیونکہ "ر م ض" کے ایک معنی ہیں انتہائی گرمی کہ جس میں کھال جل جائے اور دوسرے معنی ہیں تلوار کی دھار کو تیز کرنا۔ اگر موسم کی گرمی کے لحاظ سے رمضان کسی ایسے مہینے کا نام تھا جس میں شدت کی گرمی پڑتی تھی تو قیاس یہ کہتا ہے کہ رسالتماب کے زمانے میں دن اور مہینوں کا حساب چاند ک سے نہیں بلکہ سورج کے حوالے سے کیا جاتا تھا۔ جس طرح ربیع الاول اور ربیع الثانی میں فصل کی کٹائی کی طرف اشارہ ملتا ہے ہمارے یہاں بھی کٹائی کے دنوں کو ربیع کے ایام کہتے ہیں۔

آیت کا اگلا حصہ قرآن کی صفات بیان کر رہا ہے۔ "ھدی للناس وبینت من الھدی والفرقان" لوگوں کے لئے ہدایت اور الھدی سے وضاحتیں اور فرق کرنے والی۔۔ ان صفات کا بیان کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ شھر رمضان میں قرآن کی ضرورت ہوگی اور یہ کہ اس میں قرآن کی ہدایات اور حقانیت کے ذریعے انسانیت کے مسائل حل کئے جائیں گے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

پس جو کوئی بھی اس مہینہ کو پائے (یا موجود ہو) تو روزے رکھے (عمومی ترجمہ)

آیت کے اس حصے کا ترجمہ " پس جو اس ماہ میں موجود ہو یا جو اس ماہ کو پائے تو روزے رکھے" انتہائی مجہول ہے۔ اس لئے کہ جو کوئی "اس ماہ کو پائے یا اس ماہ میں موجود ہو" سے مراد زندہ رہنا کیا گیا ہے۔ اور مفہوم یہ لیا گیا کہ جو بھی زندہ ہو وہ روزے رکھے۔۔۔ یہ عجیب سا حکم ہے۔ ظاہر ہے جو مر گیا وہ روزہ نہیں رکھ سکتا اور لوگوں سے کہنا کہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو زندہ رہیں گے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن میں کچھ احکامات مُردوں کے لئے بھی ہیں۔ یہ انتہائی مجہول مفہوم ہے۔ قرآن تو آیا ہی زندہ انسانوں کے لئے ہے۔ آیئے اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔۔۔

ایک محفل میں بہت سے لوگ موجود ہیں۔ اختتام کے وقت اعلان ہوتا ہے کہ "جو حضرات اگلے ہفتے زندہ ہوں وہ اس محفل میں آئیں"۔۔۔۔ کیا اس جملے میں کوئی عقل کی بات ہے۔۔؟ ظاہر

ہے زندہ شخص ہی آئندہ کی محافل میں حاضر ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا ہی کہ ""جو زندہ ہو وہ روزے رکھے" آیت کے مفہوم کو انتہائی مجہول بنا دینا ہے۔

اس ترجمہ میں بنیادی غلطی ہی یہ ہوئی ہے کہ شہر رمضان کو ہم نے ایک خاص مہینے سے تعبیر کر کے اسمیں بھوک پیاس کے روزے ڈال دیئے۔ آیئے آیت کے اس جزو کو لفظاً لفظاً ترجمہ کر کے ایک مرتبہ پھر غور سے دیکھتے ہیں۔۔۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْه

پس جو کوئی اس الشہر کا مشاہدہ کرے تو وہ اس سے رکے

فَمَنْ شَهِدَ پس جو مشاہدہ کرے اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ یہ معاشرہ کی کوئی ایسی صورتحال ہے جس کا مشاہدہ لوگ کر سکتے ہیں۔" شَهِدَ "کا ترجمہ پانا اور موجود ہونا کر کے مفہوم کچھ سے کچھ کر دیا جبکہ یہ تو کوئی ایسی صورت حال ہے

ا۔۔ جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔۔

۲۔۔ جس کے لئے ہی قرآن اتارا گیا ہے۔

۳۔۔ جس کے متعلق قرآن سے ہی ہدایات لینی ہونگی۔

۴۔۔ اور صحیح و غلط کا فیصلہ قرآن کے احکامات کے مطابق کرنا ہو گا۔

اس کے بعد فرمایا گیا۔۔۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ

پس جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے ایام میں گنتی پوری کرے (عمومی ترجمہ)

یہی جز آیت نمبر ۱۸۴ میں بھی آیا ہے البتہ " منکم "کا اضافہ ہے وہاں ارشاد ہوا۔ (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ)۔ یعنی آیت نمبر ۱۸۳ میں جن لوگوں

کو خطاب " یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا" سے کہہ کر کیا گیا انہی لوگوں کو ۱۸۴ میں " مِنۡکُمۡ " تم میں سے یعنی اہل ایمان میں سے کہا جا رہا ہے۔ اسی لئے اس پر علماء کا اختلاف ہے کہ وہ روزے جو آیت نمبر ۱۸۴ میں بیان ہوئے ہیں وہ آیت نمبر ۱۸۵ میں بیان کئے گئے روزوں سے مختلف ہیں ۔ لیکن حل نہ کر سکے کہ دونوں میں فرق کیا ہے اور کون سے روزے کس کے لئے ہیں۔؟ بعض مفسرین حسب عادت جب کوئی بات نہ سمجھ پائے تو منسوخ قرار دیتے ہیں یہ آیت بھی منسوخ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حکم بھی ان احکامات میں سے ہے جو پہلے آیا تھا لیکن جو بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ذہن سے روزوں کو اگر نکال دیا جائے تو حکم واضح ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر ۱۸۴ میں حکم ان لوگوں کو ہے جو " الذین آمنوا "یعنی امن قائم کرنے والے حکام ہیں۔ جبکہ آیت نمبر ۱۸۵ میں حکم عمومی ہے۔ اسی لئے ضمائر بھی مختلف ہیں۔ اس ضمنی بحث کے بعد آیئے نفس مضمون کی طرف آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔

یُرِیۡدُاللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ وَلِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّةَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَاھَدٰکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ

اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے مشکل نہیں چاہتا تا کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی کبریائی قائم کرو ان بنیادوں پر جن کی تم کو ہدایت کی گئی ہے تا کہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ (عمومی ترجمہ)

دیکھئے اس جگہ " الصوم " کی جو حکمت بیان کی گئی ہے کہ وہ عمومی روزے کے طابوت میں آخری کیل ثابت ہوتی ہے۔۔ اس " الصوم " پر عمل پیرا انسانوں کے ذریعے۔

۱۔ اللہ معاشرے میں انسانوں کے لئے آسانی چاہتا ہے اور مشکل نہیں چاہتا۔

۲۔ گنتی کی تکمیل ہو گی۔

۳۔۔اور سب سے بڑھ کر " الصوم " کے ذریعے اللہ کی کبریائی قائم کی جائے گی یعنی احکامات الٰہی پر مبنی مملکت کا قیام عمل میں آئے گا۔اور انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے گا یعنی اس کی نعمتوں کا صحیح استعمال کیا جائے گا۔

۴۔۔ تاکہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔

یہ مقاصد روزہ کسی صورت بھی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔

اس آیت میں ایک لفظ "بکم" آیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں تمہارے ذریعے تمہارے ساتھ لیکن اس کا ترجمہ "تمہارے لئے" کیا جاتا ہے۔حالانکہ تمہارے لئے کی عربی ہو گی " لکم " ۔

اگر" الصوم "کو بھوک پیاس کا روزہ مان بھی لیا جائے تو روزے کی جو حکمت بیان کی گئی ہے۔۔۔کہ اس کے ذریعے انسان معاشرہ میں آسانیاں پیدا کرے گا،مشکلات کو دور کرے گا اور اللہ کے احکامات پر مبنی ایک مملکت قائم کرکے اللہ کی کبریائی کا اعلان کرے گا ، اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ بھوک پیاس کا روزہ کسی صورت نہیں ہو سکتا۔اس لئے کہ اس روزہ سے نہ تو معاشرے سے مشکلات دور ہوتی ہیں اور نہ ہی آسانیاں پیدا ہوتی ہیں اور نہ ہی کسی روزہ دار کو کسی قسم کی استعداد حاصل ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے احکامات پر مبنی مملکت قائم کرکے اللہ کی کبریائی ثابت کرے۔

بھوک پیاس کا روزہ کسی صورت بھی اللہ کی کبریائی یعنی مملکت الہیہ کو قائم نہیں کر سکتا۔ اس بھوک پیاس کے روزے سے تو انسان کے ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں۔ وہ اس لائق ہی نہیں رہتا کہ کچھ غور و خوض کرے اور کسی قسم کا عملی کام کر سکے کجا کہ وہ وحی الٰہی پر غور و خوض کرکے معاشرے میں اللہ کی کبریائی قائم کرے گا۔ اور اللہ کی کبریائی قائم کرنے کا مطلب ہے اصلاح معاشرہ کے ابتدائی پروگرام سے لیکر مملکت الہیہ کے قیام تک کے تمام مراحل۔۔۔۔اور یہ کہ مملکت الہیہ نے جو نعمتیں عطا کی ہوں ان کا صحیح استعمال ہو سکے۔

"لعلکم تشکرون" "تا کہ تم شکر کرو" سے مراد زبانی کلامی ''اللہ تیرا شکر ہے'' کہنا ہی کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ شکر ہوتا ہے کسی کے تحفے کی صحیح قدر کرنا اگر آپ کسی کے دئے ہوئے تحفے کی صحیح قدر نہیں کرتے اور اس کا استعمال غیر موزوں کرتے ہیں تو دینے والے کو تکلیف ہوتی ہے خواہ زبانی کلامی آپ کتنا ہی اس کا شکر ادا کر رہے ہوں۔ البتہ تحفہ دینے والا اس وقت بہت خوش ہو گا جب آپ اس کے تحفے کو صحیح مقام دینگے خواہ اس کا شکریہ آپ نہ بھی ادا کر سکے ہوں۔ اس لئے اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنا یہ ہے کہ جو بھی نعمتیں اللہ کی مملکت نے عطا کی ہیں ان کا صحیح استعمال کیا جائے۔ اگلی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ()

اور جب میرے بندے تم سے میرے متعلق پوچھیں تو کہو میں قریب ہوں۔، میں جواب دیتا ہوں جب بھی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے پس انہیں چاہیئے کہ وہ بھی آگے بڑھیں اور میرے احکامات کے ذریعے اہل امن بنیں۔

اس آیت کو روزے کے حوالے سے دیکھا جائے تو 1400 سال میں کس نے روزوں کے دوران یہ سوال کیا۔۔۔۔۔؟ کس روزے دار سے یہ سوال ہوا ہے کہ تیرا رب کہاں ہے۔۔۔۔۔؟

اس سوال کا روزے دار سے کیا تعلق ہے۔۔۔۔؟

آیئے روزوں کے متعلق اب تک کی صورتحال کا ایک مرتبہ پھر جائزہ لیتے ہیں۔ اور روزے کے داعی حضرات سے کچھ سوالات کر لیں۔

ا۔ کیا روزہ تقویٰ پیدا کرتا ہے۔۔۔؟

۔ آیت نمبر ۱۷۷ کے مطابق متقی کی سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے عبادت یا عبدیت کیلئے نہیں کھڑا ہوتا۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

۔وہ ہر حالت میں صرف اور صرف احکامات الٰہی کا داعی ہوتا ہے۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے ۔۔؟

۔وہ کسی جھوٹی سچی روایت کو پیش نہیں کرتا۔، کسی عالم کی تعلیم کا حوالہ نہیں دیتا۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

"الصوم" کے ذریعے

۔۔۔انسان مومن بنتا ہے۔۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

۔۔۔ضرورت مندوں پر مال خرچ کرتا ہے۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے؟

۔۔۔احکامات الٰہی پر مبنی نظام قائم کرتا ہے۔۔۔۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

۔۔۔فلاحی معاشرہ کے لئے خوشحالی کا باعث بنتا ہے۔۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

۔۔۔جب بھی وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے۔۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

۔۔۔ہر مشکل وقت میں ثابت قدم رہتا ہے۔۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

۲۔ جب بھی معاشرہ میں بدامنی کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس سے رکتا بھی ہے اور روکتا بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

۳۔ ایسی ہی صورتحال میں قرآن کی ہدایات اور فرقانیت کے ذریعے معاشرہ میں آسانی پیدا کی جائے اور مشکلات سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

۴۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تیاری کرے گا یا استعداد حاصل کرے گا۔۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

۵۔ اس لائحہ عمل سے معاشرہ میں الٰہی احکامات کے ذریعے اللہ کی کبریائی یعنی ایسی مملکت قائم کرتا ہے جو الٰہی احکامات پر مبنی ہو۔۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

٦۔ اللہ کی کبریائی قائم ہو گی تو اللہ کی نعمتوں کی چھینا جھپٹی نہیں ہو گی بلکہ ان کا صحیح استعمال ہو گا اس کی قدر و قیمت ہو گی۔۔۔ کیا روزے دار ایسا کرتا ہے۔۔؟

٧۔ صائم سے لازم سوال ہو گا کہ ایسا رب یعنی ایسی مملکت الہیہ کہاں ہے جو ربوبیت عامہ کی ذمہ داری لے۔۔۔۔ کیا روزے دار سے کبھی ایسا سوال کیا گیا۔۔؟

آیت ١٨٦ کا ماحاصل:۔

آیت ١٨٦ سے معلوم ہوا کہ صوم اصلاً ایسی مملکت کے قیام کی جد جہد ہے جس کی بنیاد قرآنی احکامات پر ہو گی۔ جس کے ذریعے آپس کی لوٹ مار ختم کر کے نظام ربوبیت کا نفاذ ہو گا۔ لیکن روزہ یہ مقصد حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے۔

اس لئے یاد رکھئے روزہ اس **الصوم** کا بدل ہو ہی نہی سکتا۔ **الصوم** کے ذریعے ایک مملکت الہیہ کا قیام عمل میں آتا ہے، ایک اصلاحی فلاحی ریاست کا قیام ممکن ہو تا ہے، عدل و انصاف پر مبنی عدالت کا قیام عمل میں آتا ہے۔

سورہ البقرہ آیت نمبر ١٨٧

آیئے آیت نمبر 187 کا جائزہ لیتے ہیں جس کا تعلق بھی صوم سے ہی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ()

اب آپ اس آیت کا عمومی ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم انکی پوشاک ہو۔ اللہ کو خوب معلوم تھا کہ تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے سو اس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے در گزر فرمایا اب تم ان سے مباشرت کرو اور خدا نے جو چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (مباشرت کے ذریعے پیدا ہو گا۔) اسکو ڈھونڈو اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ رات تک پورا کرو اور جب تم مساجد میں اعتکاف میں بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو۔ یہ خدا کی حدود ہیں ان کے پاس نہ جانا۔ اس طرح خدا اپنی آیتیں لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ وہ پرہیز گار بنیں۔ (عمومی ترجمہ)

اس آیت کی مفسرین نے کچھ اس طرح کی تشریح کی ہے جس میں راتوں کی مباشرت زیر بحث لائی گئی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ ان کو روزوں کی راتوں میں مباشرت کی اجازت نہیں تھی اس لئے وہ راتوں کو مباشرت کر کے سمجھتے تھے کہ خیانت کر رہے ہیں اس لئے اللہ نے اس آیت کو نازل کر کے روزوں کی راتوں میں عورتوں سے مباشرت کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ عورتیں تمہارے لئے اور تم ان کے لئے لباس ہو۔

ملاحظہ فرمایئے کہ صحابہ کرام کا اپنے نفس پر کتنا قابو تھا۔۔؟ جو کہ صحابہ کرام کی صریح گستاخی ہے۔

مفسرین کے مطابق صحابہ کرام (جن کی تربیت خود رسالتمآب نے کی تھی) وہ ایسی بات کو جس کا حکم نہ تھا اسے حکم سمجھتے تھے۔ کسی ایک صحابی نے بھی اپنی غلطی کو رسالتمآب سے پوچھ کر دور نہ کیا۔ اور سب سے بڑی بات کہ الٰہی حکم سمجھتے ہوئے بھی اس کے بر خلاف عمل کرتے رہے اور شرمندہ تک نہ ہوئے۔ اس لئے اب ان کو اجازت دی گئی اور کہا گیا کہ عورتوں سے مباشرت کریں۔ اور جو اللہ نے ان کے لئے مستقبل میں اس مباشرت کے نتیجے میں (بچہ) لکھا ہے وہ ڈھونڈیں۔ اور کھاؤ پیو یہاں تک کے صبح کی کرن رات کی کرن سے تمہارے لئے ممیز ہو جائے۔ پھر اس روزے کو رات تک مکمل کرو۔ لیکن جب مساجد میں تم عاکف ہو تو مباشرت نہ کرنا کیونکہ

یہ اللہ کی حدود ہیں اس لئے ان کے قریب نہ جانا اس طرح اللہ اپنی آیات لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ متقی بنیں۔

دیکھئے آیت کے آخیر میں بھی وہی بات دھرائی گئی ''تاکہ وہ متقی بنیں'' کیا اس طرح کے روزے اور مباشرت سے انسان میں تقوی پیدا ہوتا ہے؟ رات کو مباشرت سے تقوی یعنی پرہیز گاری کا کیا تعلق؟ آیئے اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔

ا۔ اس آیت میں جو فعل جائز قرار دیا گیا ہے وہ ہے "رفث" جس کے معنی ہوتے ہیں بد کلامی اور بد گوئی رفث سے مباشرت مراد لیا گیا ہے آخر کیوں؟ مباشرت کے لئے لفظ مباشرت موجود ہے۔ کہتے ہیں اللہ کو مباشرت کہتے حیا آتی ہے اس لئے کنایتاً رفث کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن اگلی ہی آیت میں مباشرت کا لفظ استعمال کیا گیا۔۔۔؟

۲۔ النساء سے مراد کیا ہے؟ بیوی کے لئے مخصوص بات ہو تو زوجہ کا لفظ زیادہ موزوں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ النساء میں بیوی کے علاوہ ماں اور بہن بھی شامل ہوتی ہیں۔

۳۔ نساء (نکرہ) کو النساء (معرفہ) مخصوص کیوں کیا گیا؟ یہ کون سی خاص عورتیں ہیں۔

۴۔ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ (اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے نفوس کے ساتھ خیانت کر رہے تھے تو اللہ نے تم پر رحمت کی اور تم سے در گزر کیا۔)

یعنی اللہ کے علم کے مطابق جو کچھ وہ کر رہے تھے وہ خیانت تھی اور مفسریں کے مطابق رات کو بیویوں کے ساتھ مباشرت کرنا خیانت تھی پھر اللہ نے کیونکر اس خیانت کو جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔۔۔؟ برائی ہمیشہ برائی رہتی ہے خواہ آج کی جائے یا کل کی گئی ہو یا آنے والے دنوں میں کی جائے اس لئے خیانت ہمیشہ خیانت ہی رہے گی اسکو جاری رکھنے کی اجازت اللہ کی صفات عالیہ سے بعید ہے۔

۵۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اللہ کی نظر میں خیانت نہیں تھی بلکہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے وہ لوگوں کی خود اپنی نظر میں خیانت تھی جس کے لئے کہا گیا کہ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ وَعَفَا عَنۡكُمۡ تم پر مہربانی کی اور تم سے در گزر کیا۔ تب بھی بات نہیں بنتی ہے اس لئے کہ قرآن نے اس خیانت کے علم کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے نہ کہ انسانوں کی طرف دوسری بات یہ کہ اگر اس خیانت کو انسانوں کی طرف منسوب کیا جائے تو بھی جواب میں انسانوں کے خیال کی نفی ہونی چاہیئے تھی۔۔۔ کہ یہ تمہارا خیال ہے اور ما منع الله اللہ نے منع نہیں کیا ذلک قولکم یہ تمہارا قول ہے۔

٦۔۔ آگے ارشاد ہے فَالۡـٰٔنَ بَاشِرُوۡهُنَّ وَابۡتَغُوۡا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ پس اب ان سے مباشرت کرو اور وہ تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے فرض کر دیا ہے۔ پس اب تم مباشرت کرو میں '' پس اب'' واضح کر رہا ہے کہ مباشرت پہلے نہیں ہو رہی تھی بلکہ اب مباشرت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے تا کہ اس خیانت کا ازالہ کیا جائے

۷۔۔اس آیت کا آخری جز قابل غور ہے كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡن (اس طرح خدا اپنی آیتیں لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ وہ پرہیز گار بنیں)

خدا لوگوں کے لئے خود اپنی آیات بیان کرتا ہے تا کہ وہ متقی بنیں۔یعنی اوپر بیان کردہ عورتوں سے مباشرت سے اجتناب کر کے انسان متقی بنتا ہے۔

اگر تو بات ایسی ہی ہے تو مباشرت سے ساری عمر کیوں نہ اجتناب کیا جائے۔۔۔؟ صرف ایک ماہ کے لئے متقی بنانے میں کیا مصلحت ہے۔

۔اس لئے دیکھنا یہ ہو گا کہ (۱) خیانت کیا تھی (۲) مباشرت سے وہ خیانت کس طرح ختم ہوئی۔

۸۔۔ وَابۡتَغُوۡا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ اور وہ تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔اس سے مراد وہ بچہ لیا جاتا ہے جو مباشرت جنسی کے ذریعے پیدا ہو گا۔ حالانکہ آیت نمبر 183 میں

كُتِبَ عَلَيكُم کا ترجمہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ تمام مترجمین نے "تم پر فرض کیا گیا" کیا ہے جبکہ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کا ترجمہ "پس اب ان سے مباشرت کرو اور وہ تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے فرض کر دیا ہے۔" کرنے کی بجائے وہ بچہ مراد لے لیا جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا۔ حالانکہ ضروری نہیں کہ مباشرت سے بچہ پیدا ہو۔

فَالْآنَ بَاشِرُهُنَّ پس اب تم مباشرت کرو میں "پس اب" واضح کر رہا ہے کہ مباشرت پہلے نہیں ہو رہی تھی بلکہ اب مباشرت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے تاکہ اس خیانت کا ازالہ کیا جائے اور مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کا ترجمہ "جو اللہ نے تمہارے لئے فرض کر دیا ہے" ہونا چاہئے نہ کہ وہ بچہ جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہے۔

۹۔ وکلوا واشربوا کھاؤ پیو کھانا اور پینا دو طرح کا ہوتا ہے ایک ہے غذا کا کھانا اور پانی کا پینا دوسرا ہے علم کا حصول اور اس پر عمل پیرا ہونا۔

بہتر ہو گا کہ اسی جگہ لفظ "کلوا" پر بحث کر لی جائے تاکہ بات مزید واضح ہو جائے۔ "کلوا" کا ترجمہ جب کھانا کیا جاتا ہے تو لامحالہ اس مذہبی روزہ کی طرف دھیان جاتا ہے جس میں کھانا پینا منع ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن کس چیز کو اکل کہتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 167 میں ارشاد ہوا۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ

اے لوگوں زمین میں سے کھاؤ جو حلال اور طیب ہو اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت میں دو احکامات ہیں۔۔۔

۱) پہلا حکم ہے حلال اور طیب کھاؤ۔

۲) دوسرا حکم ہے شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔

اس کا مطلب ہوا کہ اگر ''کلوا'' کے معنی کھاؤ لئے جائیں تو شیطان کے حکم پر جو چلے گا وہ حلال اور پاکیزہ کھانے کی بجائے حرام اور خبیث کھائے گا۔ کیونکہ اللہ کا حکم حلال اور طیب پر مبنی ہے تو لا محالہ شیطان کا حکم حرام اور خبیث پر مبنی ہو گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ شیطان کسی کھانے کے حوالے سے حکم نہیں دے رہا وہ حرام اور خبیث کھانے کے حکم کی بجائے کچھ اور ہی حکم دے رہا ہے جس کا تعلق کھانے سے دور دور تک نہیں ہے۔ شیطان تو حکم دیتا ہے۔۔۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ

وہ تو تم کو صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے یعنی تم اللہ پر وہ بات کہو جس کا تم کو علم نہیں

دیکھ لیجئے آیت " إِنَّمَا " (صرف) کے حصر اور غیر استثنائی شرط سے شروع ہو رہی ہے۔ " إِنَّمَا " کا معنی ہے 'صرف' اور آیت کی ابتدا میں ہی بتا دیا گیا کہ شیطان تو صرف دو ہی باتوں کا حکم دیتا ہے ۔یعنی ۔۔ا۔۔السُّوٓءِ ۔برائی اور دوسری ۔۔۲۔۔ الْفَحْشَآءِ ۔۔۔۔۔ اور یہ دونوں حکم کسی بھی طرح کھانے سے متعلق نہیں ہیں بلکہ انسان کے نظریاتی اور اخلاقی بنیادیں ہیں۔

السُّوٓءِ۔ برائی کو کہتے ہیں اور " السُّوٓءِ " معرف بالام ہونے کی وجہ سے وہ برائی ہو گی جو قرآن کی نظر میں برائی ہو گی وہ ہی۔السُّوٓءِ کہلائے گی یعنی ۔۔السُّوٓءِ ۔۔ وہ رویہ ہے جو شیطان نے حکم الٰہی کے خلاف اپنایا تھا۔ جسے صورۃ البقرہ میں ''ابی و استکبر'' نافرمانی اور تکبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دیکھئے شیطان کے رویہ میں دو ہی باتیں نظر آئیں۔۔۔

۱) نافرمانی یعنی۔۔السُّوٓءِ

۲) اور تکبر یعنی۔۔اَلْفَحْشَآءِ

یعنی **السُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ** کسی طرح بھی کھانے پینے کی چیزیں نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود شیطان کے نقش قدم پر چلنے کو کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ("سورۃ البقرہ کی مزید آیات کا مطالعہ بھی سود مند رہے گا جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اکل "علم و شریعت کے حصول" اور شرب "اس پر عمل پیرا رہنے کا نام ہے۔")

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

جو لوگ کتاب سے اس کو جو اس نے نازل فرمائی ہے چھپاتے ہیں اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ کھا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے خدا قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے

غور کیجئے یہاں "آگ کھانے" سے مراد کیا ہے۔۔؟ جو کچھ غلط تعلیمات کے ذریعے وہ حاصل کر رہے تھے اس کو آگ کے کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۰۔ **حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ**

یہاں تک کہ "الفجر" سے سفید دھاگا واضح کر دے کالے دھاگے کو۔

۔۔۔ **الْفَجْرِ** اسم معرفہ ہے یہ روزانہ صبح نکلنے والی فجر نہیں ہے بلکہ معرف باللام **الْفَجْرِ** ہے اس لئے یہ متعین کرنا ہو گا کہ یہ خاص **الْفَجْرِ** کیا ہے۔ روزانہ نکلنے والی فجر کے لئے "**الْفَجْرِ**" کی بجائے "**فَجْرٍ**" ہوتا۔

۔۔۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ سفید دھاگا کالے دھاگے سے واضح ہو جائے گا ۔۔۔۔ بلکہ کہا گیا سفید دھاگا کالے دھاگے کو واضح کر دے۔

۔۔۔ اگر اس کا مفہوم یہ ہوتا کہ صبح کی روشنی (سفید دھاگے) کو رات (کالے دھاگے) سے ممیز کر دے گی تو **الْفَجْرِ** کو حالت فاعلی میں لایا جاتا اور **من الْفَجْرِ** نہیں ہوتا بلکہ "

الْفَجْرُ "ُ فاعلی حالت میں ہوتا جس کے لئے الْفَجْر کی 'ر' پر پیش ہوتی اور خیطَ الابیضَ مفعولی حالت میں ہوتا۔

اس مقام کو غور سے دیکھ لیجئے کہ یہاں الْفَجْرِ (معرف بالام) ہونے کی وجہ سے اسم معرفہ ہے یعنی یا تو فجر کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یا یہ قرآن کی کوئی اصطلاح ہے۔

دوسری بات "الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ اور الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ" بھی معرف بالام (یعنی لفظ کے ساتھ "ال" لگنے کی وجہ سے اسم معرفہ ہیں) اگر یہ روزانہ کی صبح کی کرن اور رات کی سیاہی کی بات ہو تو معرفہ کی بجائے نکرہ ہونا چاہیئے تھا۔ دیکھ لیجئے اس آیت میں الفجر، الخیط الابیض اور الخیط الاسود تمام کے تمام الفاظ معرفہ ہیں؟

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ

پھر رات تک روزہ کو پورا کرو۔ (عمومی ترجمہ)

اس مقام پر رات بھی عام رات نہیں ہے اس لئے کہ رات کے لئے لفظ "الَّیْلِ" آیا ہے جو معرفہ ہے اور معرف بالام ہے۔

۱۱۔ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَاتَقْرَبُوْهَا

"اور تم ان سے مباشرت نہ کرنا جبکہ تم مسجد میں عاکف ہو کیونکہ یہ اللہ کی حدود ہیں پس ان کے قریب نہ جانا۔"

اگر تو یہ حکم بھوک پیاس کے ایک ماہ کے روزے کے حوالے سے ہے اور جیسا کہ اس ماہ میں مذہبی متاثر شدہ طبقہ مسجد میں بیٹھ جاتا ہے اور وہاں سے نہیں نکلتا اور اس کو مذہب کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتا ہے تو یہ سب کو معلوم ہے لیکن اگر اوپر بیان کردہ سارا عمل اللہ کے احکامات ہیں تو " تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَاتَقْرَبُوْهَا " یہ اللہ کی حدود ہیں اور ان کے قریب نہ جانا سے کیا مراد ہے۔

اگر تو روزے کے حوالے سے حدود اللہ اوپر بیان ہوئی ہیں تو بات نہیں بن رہی اس لئے کہ صرف ایک ماہ کے روزے کا ایک ہی حکم اوپر گزرا ہے یہ ایک حد تو کہی جا سکتی ہے حدود اللہ نہیں کہی جا سکتی۔ فلا تقربوھا سے کیا حکم مقصود ہے اگر تو اس سے مراد وہی ایک ماہ کے روزے ہیں تو اس کے قریب نہ جانے سے کیا مراد ہے؟ اور اگر عورتیں مراد ہوتیں تو " فَلَا تَقرَبُوھُن " ہوتا۔

صوم اور روزے میں فرق

آیت نمبر 188 کو جو "الصوم" کا اصل مقصود ہے کبھی پیش نہیں کیا جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ اور ان کے ذریعے حکام تک رسائی حاصل کرو تاکہ لوگوں کے مال سے ایک حصہ جانتے بوجھتے کھاؤ

اصل حقیقت ہی یہ ہے کہ روزہ معاشرے میں ناانصافی کو ختم کر کے لوگوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرتا ہے لوگوں کے حقوق کی بازیابی کو یقینی بناتا ہے۔ روزہ بھوک پیاس کا نام نہیں بلکہ حقوق العباد کے حصول کا نام ہے۔

یہاں پر بہتر ہو گا کہ بہت ہی مختصر طور پر عمومی ترجمہ کے حوالے سے روزے پر اٹھنے والے سوالات کا اعادہ کر لیا جائے۔۔۔

۱۔ روزہ کسی کو متقی نہیں بناتا۔ تقوی کی کیفیات جو آیت نمبر 177 میں بیان ہوئی ہیں ان میں سے ایک بھی روزہ دار میں پیدا نہیں ہوتی۔

۲۔ جس کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے وہ مسکین کو کھانا کھلا کر روزے سے بچ سکتا ہے اور مسکین کھانا کھا کر روزے سے بچ جائے گا۔

۳۔ رمضان کے مہینے میں جو موجود ہو وہ روزہ رکھے اور جو مر گیا وہ نہ رکھے ایک مجہول مفہوم ہے جو اللہ کی ذات کو زیبا نہیں۔

۴۔ روزے سے انسانیت کی مشکلات دور نہیں ہوتیں۔

۵۔روزہ سے معاشرہ میں آسانیاں پیدا نہیں ہوتیں۔

٦۔روزہ سے اللہ کی کبریائی قائم نہیں ہوتی۔

۷۔روزہ دار سے کبھی کوئی رب کے متعلق سوال نہیں کرتا کہ وہ کہاں ہے جس کے جواب میں رب کہتا ہے میں بالکل قریب ہوں۔

۸۔روزہ دار کو اجازت ہے کہ وہ اپنی عورتوں سے رفث (بدکلامی) کریں۔

۹۔اللہ نے باوجود معلوم ہو جانے کے کہ لوگ کوئی خیانت کر رہے ہیں اسی خیانت کو روکنے کی بجائے جاری رکھنے کا حکم دیا۔

۱۰۔الفجر کون سی وہ خاص فجر ہے جس کی وجہ سے فجر کو معرفہ لایا گیا ہے۔

۱۱۔الخیط الابیض اور الخیط الاسود معرفہ کیوں ہیں؟ ان سے کونسا خاص سفید اور کالا دھاگہ مراد ہے۔

۱۲۔اللیل وہ کون سی خاص رات ہے جس کی وجہ سے عام رات کو اللیل (معرفہ) لایا گیا۔

۱۳۔مساجد میں اس عمل سے روکا گیا جس کی عام حالات میں اجازت دی گئی۔

۱۴۔آیت نمبر 188 کو جو صوم کا اصل مقصود ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھائیں تاکہ اس کے ذریعے حکام تک رسائی حاصل کر سکیں اور لوگوں کے مال سے ایک حصہ جانتے بوجھتے کھا سکیں۔۔ کبھی پیش نہیں کیا جاتا۔۔۔کیوں؟؟؟

حقیقت الصوم

روزے کے عمومی تصور سے یہ بات تو ظاہر ہو گئی کہ بھوک پیاس کا روزہ وہ مقاصد و نتائج نہیں حاصل کر رہا جو قرآن کا مقصود ہیں۔ اس لیے آیئے اب انہی آیات کو مقصد قرآن کے تحت دیکھتے ہیں کہ اب صوم کی کیا شکل سامنے آتی ہے۔

الصوم کا مقصد (متقی بنانا)

سب سے پہلے صوم کا مقصد بیان کیا گیا کہ صوم سے تقوی پیدا ہوتا ہے جو روزے سے قطعاً نہیں حاصل ہوتا بلکہ اس کے برعکس روزے میں انسان انتہائی جھگڑالو اور چڑچڑا مزاج ہو جاتا ہے اور بدنظمی کا شکار ہوتا ہے۔ آیئے تقوی کی کیفیات کو ایک مرتبہ پھر دوہرا لیتے ہیں۔

تقوی وہ کیفیت ہے جس کے ذریعے انسان دوسروں کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دیتا ہے اور دوسروں کو امن مہیا کرتا ہے۔ وہ شخص متقی ہو ہی نہی سکتا جو معاشرہ میں امن مہیا کرنے والا نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ خطاب ہی ان لوگوں سے کیا جارہا ہے جو امن قائم کرتے ہیں معاشرہ میں عدل اجتماعی کا قیام اپنی مالی اور جسمانی صلاحیتوں سے دوسروں کی مشکلات کو دور کرنا ایک اصلاحی فلاحی معاشرہ قائم کرنا ہر عہد کو پورا کرنا اور اگر راستے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہی اصل تقویٰ ہے۔ یہ مقاصد بھوک پیاس سے حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ اس کے لئے عملی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے اور اس عملی جدوجہد کا نام صوم ہے۔ یعنی صوم کے ذریعئے۔۔۔

۱۔ ایک انسان دوسرے انسان کو امن مہیا کرتا ہے۔

۲۔ اپنی تمام صلاحیتوں کو دوسروں کے لئے کھلا رکھتا ہے۔

۳۔ ایک عدل اجتماعی کے قیام کی جدوجہد کرتا ہے۔

۴۔ اصلاحی نظام قائم کرتا ہے۔

۵۔ انسانیت کے لئے خوشحالی کا باعث بنتا ہے۔

۶۔ جب بھی وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے۔

۷۔ ہر مشکل وقت میں ثابت قدم رہتا ہے۔

آیئے صوم سے متعلق چند اصطلاحات اور متعلقہ آیات کا مطالع کرتے ہیں

(1) تقوی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

تم پر بھی صیام اسی طرح فرض کئے گئے جس طرح پہلوں پر کئے گئے تا کہ تم متقی بنو۔

ہر قوم میں جب جب رسول آئے اور اصلاح معاشرہ کے لئے جو جو تعلیمات اور عملی اقدام اختیار کئے تا کہ معاشرہ متقی بنے، صوم ہی کے حکم کے تحت آئیں گے۔ اس لئے صوم ان عملی اقدامات کا نام ہے جن سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے۔ لیکن جس طرح پہلی قوموں نے اس صوم کو بھوک پیاس کا روزہ بنایا اسی طرح ہم نے بھی صوم کو روزے میں بدل دیا ہے۔

(2) ایاماً معدودٰۃ

"**ایاماً معدودٰۃ**" یہ اصطلاح قرآن میں کل چار جگہ وارد ہوئی ہے۔ دو جگہ یہودیوں کے حوالے سے بیان گیا گیا ہے یہودی لوگوں کا خیال تھا کہ ان کو صرف **ایاماً معدودات** میں ہی سزا سے دوچار ہونا پڑے گا جب کہ ایک جگہ مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم ان ایام میں اللہ کے احکامات کی کثرت سے یاددھانی کراؤ۔

۱۔۔وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

اور کہتے ہیں ہمیں سوائے چند گنتی کے دنوں کے آگ نہیں چھوئے گی کہہ دو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ ہر گز اللہ اپنے عہد کا خلاف نہیں کرے گا یا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

۲۔۔ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ

یہ اسلئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہر گز آگ نہیں لگے گی مگر چند دن گنتی کے اور ان کی بنائی ہوئی باتوں نے انہیں دین میں دھوکہ دیا ہوا ہے

۳۔۔وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ

اورالبتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تھا کہاپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال اورانہیں اللہ کے دن یاد دلا بے شک اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں.

۴۔۔وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ

اور اللہ کو چند گنتی کے دنوں میں یاد کرو پھر جس نے دو دن کے اندر کوچ کرنے میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں جو (اللہ سے) ڈرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے

تمام آیات کا سیاق وسباق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ''ایاما معدودات'' وہ دور ہے جب غلط روش پر چلنے والوں کو سزا سنائی جاتی ہے اور اہل ایمان کو خوشحالی نصیب ہوتی ہے جس میں وہ احکامات الٰہی کو متشکل کرتے ہیں۔اسی دور کو مومنین کے لئے "ایام اللہ" کہا گیا ہے۔

آگے فرمایا جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دوسرے ایام میں اپنی استعداد حاصل کرے لفظ ''عدۃ'' کا مادہ ''ع د د '' ہے" ع" کے نیچے اگر زیر آئے تو تعداد کے معنی ہونگے اور اگر "ع" پر پیش آئے تو معنی تیاری کے ہونگے۔۔۔ کیونکہ اوپر سے ایک تربیت کی بات ہو رہی ہے اور استعداد حاصل کرنے کی بات ہو رہی ہے اس لئے کہا گیا کہ جو بیمار ہے (خواہ علمی یا جسمانی) یا سفر پر ہے (خواہ نظریاتی یا زمینی) وہ دوسرے ایام میں استعداد حاصل کرے۔

''تیاری یا استعداد حاصل کرنے کے ایام'' یعنی صیام وہ ایام ہیں جن میں اصلاح معاشرہ کی تیاری کی جاتی ہے۔ چناچہ معدودات وہ ایام ہیں جب کفار کو ان کے کئے کی سزا ملتی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مومن کسی وجہ سے غلطی کرتا ہے تو اسے اس کے ازالہ کے لئے کوئی استعداد حاصل کرنی ہے۔ جس کی اسے تیاری کرنی ہے۔

۵۔۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ

البتہ جو تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے ایام میں تیاری یا استعداد حاصل کرے

یہ مرض کی کیفیت نہ تو جسمانی ہے اور نہ ہی سفر زمینی سفر ہے بلکہ مرض کی وجہ سے کمی بھی علمی ہے اور سفر بھی علمی و نظریاتی ہے۔ اس لئے صوم سے پہلے خود انسان میں علمی لحاظ سے جو کمی ہے اس کا ازالہ کرے اور جو شخص ابھی علمی و نظریاتی لحاظ سے ابتدائے سفر ہے تو پہلے اس سفر کو پورا کرے پھر اس اصلاح معاشرہ کے پروگرام میں شامل ہو البتہ جن کو صیام کی طاقت ہو یعنی نظریاتی لحاظ سے صوم کے لئے تیار ہیں وہ لوگ مساکین کے طعام کا انتظام کریں۔

(3) طعام مسکین

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ

اور ان لوگوں پر جو صیام یعنی اصلاح معاشرہ کی طاقت رکھیں ان کیلئے مسکین کے طعام کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے۔

جیسا کہ آیت نمبر 177 میں بتایا گیا کہ نیک وکار وہ ہے جو مال کی محبت کے باوجود ضرورت مندوں کو اپنا مال دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس آیت میں جس شخص پر صوم فرض کیا گیا ہے اصلاً وہ فلاح انسانی کے لئے جو اس پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے اسے پورا کررہا ہے

(4) فِدْيَةٌ

"فِدْيَةٌ "کا مادہ ف د ی ہے جس کے معنی بدلہ دینا اور کسی ایسے وعدہ کا پورا کرنا جیسے کہ جنگ میں جانے والوں کو فدائین کہا جاتا ہے۔

یاد رکھئے کہ طعام صرف کھانا کھلانا نہیں ہے بلکہ طعام میں انسان کی ہر ضرورت شامل ہوتی ہے۔ جسم کے لئے کھانا، کپڑا اور سر چھپانے کے لئے چھت سے لے کر علم، صحت، عزت، حفاظت اور عدالت سب طعام میں آتا ہے۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ

جس نے احکامات الٰہی کی اطاعت کی وہ خود اس کے لئے خیر ہے۔

یہاں لفظ آیا ہے ''تطوع'' جس کے معنی ہیں 'اطاعت' یعنی جس نے خیر کی اطاعت کی۔ قرآن نے خیر دو معنی میں بیان کیا ہے ایک وحی الٰہی جس کا ذکر اسی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 105 میں ہوا ہے اور دوسرا مال و مطاع کے لئے مختلف مقامات پر وارد ہوا ہے۔ یہاں کیونکہ اطاعت کے حوالے سے بیان ہوا ہے اس لئے وحی الٰہی کے معنوں میں آیا ہے۔ جو بھی وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہے تو خود اپنے بھلے کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی صوم بنیادی طور پر وحی الٰہی کے احکامات کے تحت انسانیت سے تمام بدحالی کو دور کرنے کا نام ہے جس کا صلہ

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اور تمہارا صوم کرنا خود تمہارے لئے خیر ہے اگر تم سمجھو

یعنی اس آیت میں بالکل واضح طور پر صوم کی حکمت بتا دی گئی کہ صوم تقوی پیدا کرتا ہے جس کے لئے معاشرے کے ہر فرد کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ وہ ان افراد کے لئے جو نعمتوں سے محروم کر دئے گئے ہیں تمام نعمتوں کا حصول ممکن بنائیں۔ جس کے نتیجے میں جب معاشرہ خوشحال ہو گا تو وہ فرد بھی مزید خوشحال ہو گا جس نے اس کے لئے کوشش کی۔ آیت نمبر 185 میں صوم کو سمجھنے سے پہلے ان الفاظ اور اصطلاحات کو سمجھنا بہت ضروری ہے جو صوم سے متعلق ان آیات میں وارد ہوئے ہیں۔

(5) شهر

"شهر "کا مادہ " ش ه ر " ہے۔ جس کے معنی شہرت کے ہیں۔ ہر وہ بات جو مشہور ہو "شهر " کہلاتی ہے۔ "شهر "کا مفہوم مہینہ اس لیے کیا گیا ہے کہ سال کے بارہ مہینے مشہور ہوتے ہیں اور پھر اس سے ماخوذ معنی سے بننے والے الفاظ جیسے تشہر اور مشاہیر میں یہی معنی موجود ہیں۔

"شهر "کے دوسرے معنی ہیں تلوار کا میان سے نکالنا۔ اس طرح "شهر " سے بننے والے الفاظ میں تلوار نکالنا اور جنگ کے معنی ماخوذ کئے گئے۔

شهر سے مشتق الفاظ کے معنی صرف دو ہی ہو سکتے ہیں۔ یعنی۔ ا۔۔ایک واقعہ یا بات جو مشہور ہو جائے یا۔ ۲۔۔ جس میں خون بہانے کی کیفیت ہو۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن نے کن مفاہیم میں "شهر " سے بنے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

سورہ البقرہ کی آیت نمبر 194 میں ارشاد ہے۔۔۔

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ

حرام مہینے کا بدلہ حرام مہینے سے اور حرمتیں بدلہ ہیں (عمومی ترجمہ)

کیا آپ اس ترجمہ سے کوئی مفہوم اخذ کر سکے؟ حرام مہینے تو چلئے چار ماہ بنا لئے گئے لیکن ان کا بدلہ حرام مہینوں سے کیا مفہوم رکھتا ہے؟ جب کہ اس جگہ ''**شھر**'' واحد آیا ہے۔یعنی یہ ایک مہینے کی بات ہو رہی ہے۔نہ کہ ''**اشھر**''بہت سارے مہینوں کی۔

دیکھئے **شھر الحرام** (ایک حرام مہینے) کا بدلہ اگر **شھر الحرام** سے لیا جائے تو کیا کوئی مہینہ کسی مہینے کا بدل ہو سکتا ہے؟.........................یقیناً نہیں۔

لیکن کسی مشہور عمل کا بدلہ اسی طرح کے مشہور عمل سے دیا جاسکتا ہے۔.........جی ہاں ....ایک اچھے عمل کا بدلہ اچھے عمل کے ذریعے اور برے عمل کا بدلہ اسی طرح کے عمل سے دیا جاسکتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 194 کے اگلے جزو میں بیان کیا گیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔۔۔

فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ()

''پس جس نے تم پر سرکشی کی تو تم بھی بدلہ اسی کی مثل لو جس طرح تم پر سرکشی کی اور اللہ کا تقوی اختیار کئے رہو اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔''

بات بالکل واضح ہو گئی کہ جس انداز سے سرکشی کی گئی تھی اس کا بدلہ اسی طرح کی سرکشی کے ذریعے لیا جاسکتا ہے۔

یعنی **شھر الحرام** کا بدلہ **شھر الحرام** کے ساتھ ہی دیا جاسکتا ہے جس کا مطلب ہوا کہ **شھر الحرام** ایسی کیفیت ہے جس کی ممانعت تھی۔لیکن اگر تمہاری اس کیفیت کا لحاظ نہیں کیا گیا اور اگر سرکشی تم پر طاری کر دی گئی ہے تو تم بھی اسی انداز سے بدلہ لے سکتے ہو۔

شھر کا مفہوم واضح ہونے کے بعد تمام مقامات کو دیکھ لیجئے اور **شھر** کے معنی ''حالت / کیفیت / عمل'' رکھ کر ترجمہ کیجئے۔آپ دیکھیں گے کہ آیات کا مفہوم کس طرح کھلتا چلا جاتا ہے۔

(6) رمضان

''رمضان'' کا مادہ ''ر م ض'' ہے۔ اس کے بھی دو معنی ہیں ایک معنی ہے انتہائی سخت گرمی اور محققین کا خیال ہے کہ جب عربی کیلنڈر کو اسلامی بنایا گیا تو اس ماہ کو رمضان اس لئے کہا گیا کہ یہ انتہائی سخت گرمی میں آتا تھا۔ پھر جب کیلنڈر کو سورج کی بجائے چاند کی گردش سے منسوب کیا گیا تو مہینوں کے نام تو وہی رہے البتہ کیلنڈر کا حساب چاند کی گردش کے مطابق کیا جانے لگا۔ (تفصیل کے لئے رشید نعمانی کی لغات القرآن دیکھئے) رمضان کے دوسرے معنی تلوار کی دھار کو تیز کرنا بھی ہیں۔

آیئے اب نفس مضمون کی طرف جہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

شہر رمضان وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے ہدایت اور الھدی سے بیانات اور فرق کر دینے والی ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

پس جو بھی اس کیفیت کا مشاہدہ کرے وہ اس سے رکے اور / اس کو روکے

جیسا کہ عرض کیا **شھر رمضان** مہینہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اس شھر کے مشاہدہ سے ذہن میں مہینے کا مفہوم نہیں ابھرتا۔ اور آگے یہ کہنا کہ جو اس کا مشاہدہ کرے وہ اس کو روکے یا اس سے رکے صاف بتا رہا ہے کہ یہ مہینے سے متعلق آیات نہیں ہیں۔

انسان کبھی کسی مہینے کا مشاہدہ نہیں کرتا اور نہ ہی اسے روک سکتا ہے یا اس سے رک سکتا ہے۔ مشاہدہ ہوتا ہے کسی حادثہ کا، کسی مادی تغیر و تبدل کا جسے روکا بھی جا سکتا ہے اور جس سے خود بھی رکا جا سکتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی کسی ایسی حالت کا ذکر ہے جس سے رکنا اور روکا جانا مقصود ہے۔

آیت نمبر 183 میں خطاب اہل امن سے ہے اور صوم کا ذکر مساکین کی حاجت روائی کے سلسلے میں آیا ہے۔ اور اب کہا جا رہا ہے کہ اگر معاشرہ میں **شھر رمضان** یعنی خون خرابہ یا لڑائی جھگڑے کا کوئی مشاہدہ کرے تو وہ اس سے رکے اور اس کو روکے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ **شھر رمضان** سے مراد وہ حالت ہے جس میں معاشرہ میں کوئی نہ کوئی حق تلفی موجود ہوتی ہے۔ اب خواہ وہ برائی لڑائی جھگڑے یا خون خرابے کا باعث بنے یا کسی چھوٹی موٹی برائی کا جو معاشرہ میں بہت رواج پا چکی ہو بات کسی نہ کسی برائی کے متعلق ہے جس کیلئے کہا جا رہا ہے کہ جو بھی اس کا مشاہدہ کرے وہ اس سے رکے اور روکے۔ **فلیصمه** میں دونوں ہی معنی پائے جاتے ہیں۔ روکیں گے صاحبان اختیار و اقتدار اور رکیں گے افراد۔ البتہ وہ لوگ جو ابھی کسی لحاظ سے دسترس نہیں رکھتے یا ابتدائی مراحل میں ہیں تو ایسے لوگ پہلے اپنی صلاحیت کی تکمیل کریں پھر اصلاح معاشرہ کا بیڑہ اٹھائیں

اس جگہ کچھ صاحبان عقل کو اعتراض ہوا کہ "صوم" کا لفظ "متعدی" نہیں بلکہ "لازم" ہے۔ اس لئے دوسرے کو برائی سے روکنے کا ترجمہ ممکن نہیں۔ ان صاحبان عقل کی خدمت میں صرف اتنا عرض ہے کہ "ایک لمحے کے لئے ہم نے مان بھی لیا کہ صوم کا لفظ متعدی نہیں ہے۔" لیکن پھر ہم آپ سے سوال کرینگے کہ آپ روزے کو ساری دنیا پر کیوں لاگو کرنا چاہتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ اس کی وجہ۔۔۔۔؟ کیا آپ کا لوگوں کو بھوکا پیاسا رکھنا متعدی نہیں۔۔؟

لفظ صوم کا ترجمہ خواہ "روزہ" کیجئے یا "اصلاح معاشرہ کی تربیت" یا "تمام برائیوں سے رکنا" لفظ "صوم" ہی رہے گا اور مفہوم میں نہ صرف خود رکنا بلکہ دوسروں کو روکنا بھی شامل ہو گا۔ ان صاحبان بصیرت سے صرف اتنا عرض ہے کہ جب فعل کے ساتھ کوئی ضمیر لاحق ہو تو فعل خود بخود فعل لازم پر دلالت کرتا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ()

اللہ تمہارے ذریعے آسانیاں چاہتا ہے اور تمہارے ذریعے مشکلات کا ارادہ نہیں کرتا اور یہ کہ تم اپنی استعداد کی تکمیل کرو اور یہ کہ تم اللہ کی کبریائی ان بنیادوں پر قائم کرو جن کی تم کو ہدایت دی گئی ہے۔ اور تا کہ تم شکر کرو۔

اس آیت میں ایک لفظ "بکم" آیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں تمہارے ذریعے تمہارے ساتھ لیکن اس کا ترجمہ ''تمہارے لئے'' کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تمہارے لئے کی عربی ہوگی " لکم " ۔

دیکھ لیجئے صوم کے ذریعے انسانوں نے معاشرے میں آسانیاں پیدا کرنی ہیں۔ مشکلات دور کرنی ہیں۔ اپنی صلاحیتوں کی تکمیل کرنی ہے اور اللہ کی ہدایات یعنی وحی الہٰی کے ذریعے معاشرہ میں اللہ کی کبریائی قائم کرنی ہے۔ یعنی معاشرے میں ہر جگہ اللہ کی ہدایات کے مطابق قوانین بنائے جائیں گے۔ جس کا نتیجہ ہوگا اللہ کی نعمتوں کا حصول جن کا صحیح استعمال شکر ہے۔

نعمتوں کا شکر کرنا حقیقی معنوں میں ان نعمتوں کا صحیح اور جائز استعمال ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ جو بھی نعمت جس کے لئے ہو وہ اس تک پہنچے۔ حقدار کو اس کا حق ملے۔ اللہ کی سب سے بڑی نعمت انسان کے حقوق ہیں۔ ان کا اپنے لئے صحیح استعمال اور دوسرے کے حقوق کو اس تک پہنچانا ہی صوم کا اصل مقصد ہے۔ اس تصور کو جب آپ معاشرے میں لے کر جائیں گے تو لوگ ضرور پوچھیں گے کہ وہ الہٰی نظام جس میں حقوق کی بازیابی ہو کہاں ہے۔ تو آپ بتائیں گے کہ ایسا نظام آیا ہی چاہتا ہے لیکن اس کو متشکل کرنے کی دو شرائط بھی ہیں۔۔۔

اصلاً یہ سوالات تو ہر اس شخص سے پوچھے جاتے ہیں جو کوئی پروگرام لیکر معاشرے میں حاضر ہوتا ہے۔ اس سے ضرور پوچھا جاتا ہے کہ بھائی تم جو احکامات الہٰی پر مبنی مملکت کا پروگرام پیش کر رہے ہو تو ذرا یہ تو بتاؤ کہ وہ اس دنیا میں کہاں ہے۔ تو اس کے جواب میں ضرور اس سے کہا جائے گا کہ خالی خولی اور زبانی کلامی باتوں سے نظام نہیں بدلا کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے جد و جہد کرنی پڑتی ہے " فَلْيَسْتَجِيْبُوْ لِيْ " چاہئے کہ وہ جو سوال کر رہے ہیں آگے بڑھیں اور وَلْيُؤْ مِنُوْا بِيْ اور میرے ساتھ امن قائم کریں۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ()

اور جب میرے بندے میرے متعلق (یعنی میری ربوبیت پر مبنی مملکت الٰہیہ کے) متعلق استفسار کریں تو کہہ دو کہ میں تو قریب ہی ہوں۔ میں اپنے پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ لیکن اس کو چاہیے کہ وہ آگے بڑھے اور میرے احکامات کے ذریعے مومن یعنی امن دینے والا بنے تا کہ وہ لوگ بھی سمجھ بوجھ سے کام لیں۔

اس آیت کے تحت صوم نہ صرف ایک ایسی کیفیت سے بچنے کا نام ہے جو لڑائی جھگڑے سے لے کر خون خرابے کا باعث بن سکتا ہے بلکہ ایسی حالت کو وحی الٰہی کے ذریعے بدلنے کا نام ہے۔ یعنی اللہ کی کبریائی قائم کرنا مقصود ہے۔ جس کے ذریعے معاشرے سے مشکلات کو دور کرکے آسانیاں پیدا کی جاتی ہیں۔

دیکھئے " صوم " ایک تربیتی پروگرام ہے جس کی دعوت دینے والا احکامات الٰہی کے ذریعے معاشرہ میں دعوت دے گا جس کا ذکر ما قبل آیت نمبر 185 میں واضح کیا گیا اور بتایا گیا کہ اگر معاشرہ میں کسی قسم کی افراتفری پھیلی ہوئی ہے تو اصلاح معاشرہ کی بنیاد قرآن کے ذریعے ہوگی صحیح و غلط کی تمیز قرآن کے احکامات کے مطابق ہوگی اور معاشرہ میں مشکلات کو دور کرکے آسانی پیدا کرنا انسانوں کا ہی کام ہوگا ان انسانوں نے ہی معاشرہ میں اللہ کی کبریائی قائم کرنی ہے یعنی الٰہی احکامات کے ذریعے ایک خوشحال معاشرہ کا قیام عمل میں لائیں گے۔ اور ظاہر ہے جب بھی یہ پروگرام لے کر لوگ معاشرہ میں جائیں گے تو سب سے پہلا ہی سوال یہ ہوگا کہ وہ معاشرہ یا وہ نظام کہاں ہے ؟ جس کے جواب میں کہا گیا کہ ایسا معاشرہ بہت جلد متشکل ہو سکتا ہے بشرطیکہ لوگ آگے بڑھیں اور احکامات الٰہی کے ساتھ معاشرہ میں امن قائم کریں۔

آیت نمبر 187 میں صوم کو معاشرہ کے ایک اور مسئلہ کے پیش نظر بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ

جائز کر دیا گیا تھا تمہارے لئے تمہارے کمزور طبقے سے بد کلامی کو ، وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔۔۔۔، اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے لوگوں سے خیانت کر رہے تھے۔۔۔، پس وہ تمہاری طرف رجوع ہوا اور تم کو عافیت میں لیا۔۔۔ سو اب تم اپنے ان لوگوں سے بلا روک ٹوک ملاقات کرو اور حق صرف وہی تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھا ہے۔

اس آیت میں دو الفاظ قابل غور ہیں ایک رفث دوسرا النساء۔

(7) رفث

رفث کے معنی ہے بد گوئی و بد کلامی اور النساء قرآن کی اصطلاح ہے جس کے مفہوم میں وہ کمزور افراد جن کے حقوق صلب کر لئے جاتے ہیں مراد ہوتی ہے۔

آیت کے اس حصے میں جس بات کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ ہے بد گوئی، بد کلامی۔ ظاہر ہے اس طرح کا حکم خالق کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ بد گوئی اور بد کلامی معاشرہ میں اگر پھیل جائے تو معاشرہ کے اثر و رسوخ والے لوگ کمزور افراد کو کمی کمین بنا ڈالتے ہیں۔ اور ایسی زبان جس میں گالم گلوچ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ان کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ اس حد تک دیکھا گیا ہے کہ یہ کمزور افراد بھی خود کو با اثر افراد کے سامنے جانور سے بد تر سمجھتے ہیں۔ معاشرے سے اس برائی کو دور کرنے کی بجائے مذہبی پیشواء نے اس کا رخ عورتوں کی طرف پھیر دیا اور رفث کے معنی بد کلامی کی بجائے رات کو مباشرت اور النساء کو بیویاں کر کے تمام کے تمام اصلاحی عمل کو میاں بیوی کے معمول کے تعلقات کی طرف پھیر دیا۔ یاد رکھئے اللہ کے احکامات کبھی بدلا نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی اعمال کے نتائج بدلتے ہیں۔۔

فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا

پس تو اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور تو اللہ کے قانوں میں کوئی تغیر نہیں پائے گا۔

جو کل برائی تھی وہ آج بھی برائی ہے اور کل بھی برائی رہے گی یہ ہو نہیں سکتا کہ کل کی برائی آج اچھائی کہلائے۔ اگر کسی زمانے میں رَفَثَ برائی تھی تو آج بھی برائی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

اب دیکھنا ہو گا کہ فعل ماضی مجہول ''اُحِلَّ'' میں حکم کی نسبت کس کی طرف ہے یقیناً اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہو سکتی۔۔ کیونکہ اللہ کا قانون کبھی نہیں بدلتا اور نہ ہی نتائج تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ دوسری بات کہ کسی بری بات کی نسبت خالق کی طرف کرنا انتہائی جرم کی بات ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ بدکلامی کی اجازت خالق نے دے دی یقینی طور پر غلط ہے اور خالق پر تہمت کے مترادف ہے۔ اس لئے اس فعل یعنی بدگوئی اور بدکلامی کا معاشرہ میں رواج پانا انسان کی خود اپنی سوچ و عمل کا نتیجہ ہے۔ معاشرہ نے خود النساء کے ساتھ رفث کو جائز قرار دے لیا تھا۔

(8) النساء

''النساء'' کا لفظ سیدنا موسی اور فرعون کی داستان میں بہت استعمال ہوا ہے۔ جہاں بارہا مقامات پر بتایا گیا کہ فرعون ابناء قوم کو مروا دیتا تھا اور نساء کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔

سیدنا موسی کی داستان میں یہودی روایات کے زیر اثر ہماری مذہبی پیشوائیت نے بھی یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے نومولود بیٹوں کے قتل کا حکم صادر کیا ہوا تھا۔ یہ بات یہاں ہی واضح ہو جانی چاہیئے تاکہ معلوم ہو جائے کے بنی اسرائیل کے ابناء اور نساء کون تھے۔

ہماری مذہبی داستانوں میں مذکورہ یہودی روایت کے برعکس فرعون نے بنی اسرائیل کے ابناء کے قتل کا حکم اس وقت دیا جب سیدنا موسی نے فرعون کے دربار میں چیلنج کیا تھا۔ اس حوالے سے آپ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 49 دیکھ سکتے ہیں جہاں اس فعل کو فرعون کی بجائے ال فرعون کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور نومولود کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ()

(یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے تم کو آل فرعون کی غلامی سے نجات بخشی اُنہوں نے تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا، تمہارے ابناء قوم کو ذبح کرتے تھے اور تمہارے کمزور طبقے یعنی النساء کی پشت پناہی کرتے تھے اور اس حالت میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی)

دوسرا مقام ہے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 127 جہاں سیدنا موسی کے علم بغاوت بلند کرنے پر قوم کے سرداروں نے فرعون سے پوچھا کہ کیا تم موسی اور اس کی قوم کو چھوڑ دو گے تو فرعون نے جواب دیا تھا۔۔۔

سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَ هُمۡ وَنَسۡتَحۡیِ نِسَآءَ هُمۡ

میں یقیناً ان کے ابناء کو قتل کرونگا اور ان کی نساء کو حیات بخشوں گا

تیسرا مقام ہے سورۃ المومن کی آیت نمبر 25 اور یہاں بھی سیدنا موسی کے علم بغاوت کے جواب میں نہ صرف فرعون نے بلکہ ھامان اور قارون نے کہا کہ۔۔۔

فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ

پس جب وہ ہمارے پاس سے ان کے پاس حق کو لے کر پہنچا تو انہوں نے کہا کہ ان ابناء قوم کو قتل کرو جو اس کے ساتھ اہل ایمان ہوئے ہیں اور حیات بخشو ان کے کمزور طبقے کو لیکن کافرون کی تدبیر بے فائدہ بے نتیجہ ہوتی ہے۔

یہاں بھی یہودی روایات کو مدنظر رکھ کر ترجمہ کچھ یوں کیا جاتا ہے کہ۔۔۔

وہ لوگ جو اہل ایمان ہیں ان کے نومولود بیٹوں کو قتل کرو اور ان کی نومولود بیٹیوں کو چھوڑ دو۔ اس ترجمے میں کئی خامیاں ہیں

ا۔۔پہلی تو یہ کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ موسیٰ نے فرعون کے دربار میں فرعون، ھامان اور قارون کو چیلنج کیا جس کا مطلب ہے کہ وہ نومولود نہیں تھے۔ بلکہ اپنی پوری قوت اور طاقت کو پہنچ چکے تھے۔

۲۔۔دوسری خامی یہ کہ نومولود لڑکی کے لئے النساء کا لفظ جو کہ بڑی عورت کے لئے استعمال ہوتا ہے نہیں استعمال ہو سکتا۔

۳۔۔تیسری بات کہ اگر فرعون اسی طرح نومولود لڑکوں کو مروا دیتا تھا تو اس کو محلات وغیرہ بنانے کے لئے مزدور طبقہ کہاں سے ملتا تھا۔

۴۔۔ چوتھی بات یہ کہ ''الذین امنوا'' وہ جو اہل ایمان ہیں ابناء کی وضاحت ہے۔ یعنی ''ابناء الذین آمنوا'' کا ترجمہ ہو گا وہ ابناء جو اہل ایمان ہوئے۔

فرعون کو کسی مومن کے بیٹے کے قتل سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ اصل قتل تو ان کا ہونا چاہیے جو مومن مرد میدان ہیں۔ جو ابناء قوم کہلانے کا حق رکھتے ہیں اور جو قوموں کی قسمت بدلنے کی ہمت وطاقت رکھتے ہیں اور اس وقت فرعون کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح کھڑے تھے کوئی نومولود بچے نہ تھے۔ لیکن کیونکہ قرآن کو دیومالائیت اور یہود کی مذہبی داستانوں کے زیر اثر ایک مذہبی کتاب بنانے کا عزم کر رکھا ہے اس لئے تمام ایسے مقامات جہاں اولوالعزم افراد کو وقت کے فرعون کے سامنے حقوق انسانی کا علم بلند کرنے کی تعلیم ملتی ہو ایسے مفاہیم میں بدل دیا کہ جس سے ابناء قوم مایوسی کا شکار ہو کر پژمردہ ہو جائیں۔

اتنی تفصیل میں جانے کا مقصد ''النساء'' کے لفظ کو واضح کرنا تھا۔ ''النساء'' کا لفظ ان افراد کے لئے خواہ مرد ہوں یا عورتیں استعمال کیا گیا ہے جن کو معاشرہ اتنا کمزور بنا دیتا ہے کہ وہ اپنی آواز نہیں اٹھاتے۔

نساء کا یہی مفہوم سورۃ البقرہ کی زیر مطالعہ آیت میں بھی ہے۔ اس آیت میں ایک لفظ "ا للیل" بھی آیا ہے جس کا مفہوم بھی وضاحت طلب ہے۔ وہ دور جس کو آیت نمبر 185 میں شھر رمضان کہا گیا اسی دور کو لیلۃ الصیام سے تعبیر کیا گیا۔

"الصیام" کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ الصیام وہ دور ہے جس میں برائی سے روکا جائے اور بھلائیوں کی ترویج ہو اور انسان اپنی اصلاح کرے۔ اس دور کی اندھیری رات سے مراد وہ ایام ہیں جب برائیوں سے روکنے والا نہ ہو بلکہ بھلائیوں کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ ظالم اپنا ظلم کرتا رہے اور مظلوم اپنا حق بھی طلب نہ کر سکے۔ ایسے ہی دور کو لیلۃ الصیام کہا گیا۔ یعنی ایسا دور جس میں اقدار کی پامالی عام ہوتی ہے جو اصلاحی کاموں کے لئے سیاہ رات ثابت ہوتی ہے۔ آیئے اب آیت مذکورہ کا ترجمہ ان مفاہیم کے پیش نظر دیکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔۔۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ

اس دور میں جب کے اقدار کی پامالی ہوتی ہے تمہارے معاشرے نے کمزور افراد کے ساتھ بدکلامی اور بدگوئی کو تمہارے لئے جائز قرار دے دیا تھا (یہ وہ دور ہوتا ہے جب حقوق انسانی پامال ہو رہے ہیں۔) وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ یعنی وہ مظلوم لوگ جن کو تم نے کمی کمین بنا رکھا ہے جن کو تم جوتی کی نوک پر رکھتے ہو جن سے تم ملنا پسند نہیں کرتے جن کا تم استحصال کرتے ہو جن کی محنت کی کمائی کھا جاتے ہو۔ یہ تمہارے ہی لوگ ہیں تم سب کی کیفیت "بعضکم من بعض" کی ہے یعنی تم ایک دوسرے میں سے ہو۔ تم ان کی محنت کی کمائی اڑا کر اور انہیں ذلیل و خوار کر کے خیانت کر رہے تھے۔ ان برائیوں سے اب رکنے کا وقت آ گیا ہے۔ قدرت الہیہ کو علم تھا کہ تم اپنے لوگوں سے خیانت کر رہے تھے۔ ان کی خون پسینے کی کمائی اڑا رہے تھے۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ

پس اللہ تم پر مہربان ہوا اور تم کو عافیت میں لیا تم سے در گزر کیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا اور اب تک کی آیات کے مطالع سے جو بات سامنے آئی وہ یہ کہ جب لوگ انسانوں پر ظلم روا رکھنے کو جائز سمجھنے لگتے ہیں۔ ان سے میل ملاقات کو اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھتے ہیں ان کی محنت کا ثمرہ اڑانے کو خیانت نہیں سمجھتے تو یہ وہ وقت ہے کہ اولوالباب کو ان رویوں سے معاشرہ کو روکنا چاہیے تاکہ رب ان کی طرف رجوع بہ رحمت ہو اور اپنی عافیت میں لے لیکن اس رحمت کے حصول کے لئے اس خیانت سے باز آنا پڑے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ رب اپنا اصول ہی بدل دے۔ کل تک جو چیز خیانت تھی وہ آج خیانت نہ رہے اور امانت بن جائے۔ کیونکہ ہمارے اسلاف نے خیانت کو حقوق کی پامالی اور لوگوں کے خون پسینے کی کمائی کو اڑا لے جانا سمجھا ہی نہی اس لئے رفث کو بدکلامی بدگوئی کی بجائے مباشرت کے معنی میں لیا اور اس کو خیانت سمجھ کر ایک کہانی گھڑی اور آیات کے معنی کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ سیدھی سی بات ہے کہ تم نے لوگوں کو کمی کمین بنا کر ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا اور ان کے مال ہڑپ کر جاتے تھے۔ اس لئے اگر اللہ ان باتوں سے درگزر کر رہا ہے تو تمہارا بھی یہ فرض ہے کہ اب تم ان کے مال ہڑپ کرنا بند کرو اور ان سے ایسے گھل مل جاؤ جیسے تم ایک دوسرے سے ہو۔۔۔

فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

پس اب تم ان سے بلا روک ٹوک میل ملاپ کرو اور وہی تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لیے تمہارا حق اصولاً لکھ دیا ہے۔

دیکھیے **باشروھن** کا مفہوم مباشرت کر کے آیات کے مفہوم کو کیا سے کیا بنا دیا۔ **باشروھن** کا مادہ ''ب ش ر'' ہے جس کے معنی ہیں بغیر کسی رکاوٹ کے ملنا۔۔، جس سے مفہوم اخذ کیا گیا کھال سے کھال کا ملنا اور ااور خوشخبری دینا۔۔ کھال سے کھال ملنے سے جنسی فعل کا مفہوم اخذ کیا گیا۔ یہاں ''باشروھن'' اپنے بنیادی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور موضوع کے حوالے سے انتہائی مناسب لفظ ہے۔ کیونکہ بات ہو رہی ہے کہ معاشرہ میں مظلوم افراد کی دادرسی نہیں ہو رہی ان کے مال ہڑپ کئے جا رہے ہیں ان سے ملاقات کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے ان کو ذلیل کرنا عام عادت بن گئی ہے۔ اس کا علم اللہ کو تھا اور اس کی نظر میں یہ خیانت ہے لیکن اللہ نے تم پر

مہربانی کی تمہاری پرانی غلطیوں کو معاف کیا۔ اس لئے سب سے پہلے ان برائیوں سے رکو۔ پھر ''فالئن باشروھن'' اب ان مظلوم افراد سے بلاروک ٹوک میل ملاقات کرو اور خوشخبری دو کہ وہ دور ظلمات اب ختم ہو گئے۔ اور ان مظلوم افراد کی خون پسینے کی کمائی کو ہڑپ کرنے کی بجائے تم صرف اسی چیز کی تمنا کرو جو قوانین الٰہیہ میں تمہارے لئے لکھ دئے گئے ہیں۔ اور اس حوالے سے وحی الٰہی کا مطالعہ کرو تا کہ وحی الٰہی تم پر واضح کردے کہ تمہارے معاشرے میں کیا کیا غلط رواج آ گئے ہیں۔

(آپ نے دیکھا ہو گا کہ عربی ٹی وی جب براہ راست کسی پروگرام کو ٹیلی کاسٹ کرتے ہیں تو اس پروگرام کو "مباشرۃ" کہتے ہیں۔ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ پروگرام بغیر کسی روک ٹوک کے براہ راست نشر کیا جارہا ہے)

اس لئے کہا گیا۔۔۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

کھاؤ پیو یہاں تک کہ الفجر سے سفید دھاگہ ممیز کر دے کالے دھاگے کو۔

اس مقام سے روزے کے اوقات متعین کرتے ہیں۔ سفید دھاگے کو صبح کی شروعات اور کالے دھاگے کو رات کا ختم ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ اور من الفجر سے صبح مراد لی جاتی ہے۔ عمومی ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔۔۔

''نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدہ صبح کی دھاری نمایاں نظر آئے''اس ترجمہ میں

ا۔۔۔پہلی غلطی یہ ہے کہ اس میں فاعلی حالت میں انسان کو بنایا گیا ہے۔یعنی اس ترجمے میں مترجم کہہ رہا ہے''تم کو نظر آئے'' جس کے لئے کوئی لفظ یا مرکب یا جملہ موجود نہیں ہے۔

۲۔۔۔دوسری غلطی یہ ہے کہ وہ مرکب جو فاعلی حالت میں ہے اسے مفعول بنایا گیا ہے۔اس جگہ فاعلی حالت میں " **الخیطُ البیضُ** " ہے جو **الخیطِ الاسودِ** کو واضح کر رہی ہے۔یعنی اگر **الخیطُ الابیضُ** کو ہم صبح کی کرن بھی مراد لے لیں تو یہ صبح کی کرن کالی کرن کو واضح کرے گی۔رات پہلے سے موجود ہوتی ہے اسے کوئی صبح کی روشنی کی کرن کیا واضح کرے گی۔؟رات تو بذات خود مسلمہ حقیقت ہے اسلئے صبح کی کرن رات کو ممیز نہیں کرتی بلکہ '' **فجر** "تو دن کی ابتدا ہوتی ہے۔

۳۔۔۔تیسری غلطی یہ ہے کہ اس میں معرف بالام اسماء کی اہمیت کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔" **الفجر** "معرف بالام ہونے کی وجہ سے روزانہ کی صبح نہیں ہے بلکہ کوئی خاص "**فجر** " ہے

اسی طرح" **الخیطُ البیضُ** "اور "**الخیطِ الاسودِ** " مرکبات معرف بالام ہونے کی وجہ سے عام سفید دھاگہ اور کالا دھاگہ نہیں ہیں کہ جن کو عام روشنی کی کرن اور اندھیرے کی کالی مراد لے سکیں۔اگر روزانہ کی صبح کی روشنی کی کرن اور رات کے اندھیرے کی کرن سمجھیں۔

اگر روزانہ کی صبح کی سفیدی اور رات کی سیاہی ہو تو دونوں مرکبات کو نکرہ ہونا چاہیے یعنی روزانہ نظر آنے والی صبح کی کرن کے لئے ''**الخیطُّ الابیضُ** '' کی بجائے **خیط ابیضٌ** ہونا چاہیے۔اور ''**الخیطِ الاسودِ**''کی بجائے **خیطٍ اسودٍ** ہونا چاہیے۔

آیت کے تینوں جزو استعارہ اور تمثیل کا رنگ لئے ہوئے ہیں اس لئے دیکھنا ہوگا کہ **الخیط الابیض** اور **الخیط الاسود** اور **الفجر** یعنی ''سفید دھاگہ'' ''کالا دھاگہ'' اور ''**فجر**'' سے کیا مرادلی جاسکتی ہے۔البتہ اس بات کا دھیان رہے کہ مجازی معنی جو بھی لئے جائیں وہ قرآن کے مقصود کے مطابق ہونے چاہئیں۔جو مضمون اور موضوع پہلے سے چل رہا ہے اس کے مطابق ہونے چاہیے۔اور خود قرآن نے ان الفاظ کو اگر کہیں اصطلاحاً استعمال کیا ہے تو اس کے مطابق ہونا چاہیے۔

دیکھئے ''**الفجر**'' مختلف مقامات پر آیا ہے۔ لیکن سورہ بنی اسرائیل میں اس کو بڑے واضح الفاظ میں بتادیا گیا ہے کہ " **الفجر یعنی قرآن** '' کو قائم کرنا ہے۔

آیئے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 78 کا مطالع کرتے ہیں۔

أَقِمِ الصَّلاَةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ()

قرآنی نظام (الصَّلوٰةَ) کو قائم کرو الشمس کے لمحہ بہ لمحہ طلوع ہونے کے لئے یہاں تک کہ لیلیت اپنی ہی تاریکی میں گم ہو جائے یعنی الْقُرْاٰن الْفَجْر (روشنی کے قرآن) کو قائم کرو یقیناً اَلْقُرْاٰن الْفَجْر مشہود ہے۔

یہ مقام صلوۃ کے حوالے سے بحث کا نہیں ہے اس لئے مختصراً عرض کر دوں کہ صلوۃ نماز نہیں بلکہ وہ نظم ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی ہوتی ہے۔ یہ نظام معاشرے کے لئے صبح نو یعنی خوشحالی کی وعید اور غسق اللیل یعنی معاشی اور معاشرتی ظلمات کو دور کرنے کی امید ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآن الفجر کو قائم کرنا ہے۔

سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۷ میں الفجر سے مراد قرآن الفجر ہے جس کی روشن آیات ''**الخیط الابیض**'' نہ صرف معاشرہ کے غلط خیالات و رسومات ''**الخیط الاسود**'' کو ممیز کریں گی بلکہ معاشرہ کے اندھیروں الیل کی ہر حد تک پہنچ کر اسے ختم کریں گی۔ اس طویل بحث کے بعد ایک مرتبہ پھر آیت اور اسکا مختصر ترجمہ دھرالیں۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَـكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

احکامات الٰہی کا علم حاصل کرو اور اس پر عمل پیرا ہو یہاں تک کہ قرآن سے الٰہی احکامات تمام غلط خیالات کو واضح کر دیں۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ

پھر معاشرے کی تمام تر برائیوں کی اصلاح کرو۔

یعنی قرآن سے صرف صحیح اور غلط کی تمیز ہو جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ الصیام یعنی اصلاح کا دائرہ کار معاشرے کی تمام تر غلط رسوم و روایات پر پوری طرح محیط نہ ہو جائے۔ اور ظلمات خود اپنے اندھیروں ڈوب نہ جائیں۔ یہاں پر بھی یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ الَّیۡلِ بھی معرفہ ہے اور یہ روزانہ دن کی روشنی کے بعد آنے والی رات نہیں ہے بلکہ کوئی خاص رات ہے۔ اس سے مراد معاشرہ کی وہ اندھیری رات مراد ہے جب تمام اقدار پامال ہوتے ہیں۔

لیکن اس اصلاح معاشرہ کے پروگرام پر صرف وہی لوگ عمل کریں گے جو احکامات الٰہی سے پوری طرح آشنا ہونگے۔ کوئی بھی قبل از وقت خوشخبری خرابی کا باعث بن سکتی ہے جب تک معاشرے کے لوگ قرآن کی آیات پر غور و خوض کر کے ایک مستقل لائحہ عمل متعین نہیں کر لیتے معاشرے میں غلط وعدے وعید تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا۔۔۔

وَلَا تُبَاشِرُوۡهُنَّ وَاَنۡتُمۡ عٰكِفُوۡنَ فِى الۡمَسٰجِدِ ؕ

تم کوئی وعدہ وعید نہ کرنا جب تک کہ تم احکامات الٰہی کے معاملے میں غور و خوض کر رہے ہو

کیونکہ۔۔۔

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا

یہ اللہ کی حدود ہیں تم ان کے قریب نہ جانا۔

بات واضح ہے کہ احکامات الٰہی کے متعلق غلط اندازے لگا کر معاشرہ میں حقوق کے بارے میں غلط تصورات انتہائی بھیانک انجام سے دوچار کر سکتے ہیں۔ ''تلک حدود الله'' سے مراد احکامات الٰہی ہیں۔ تلک کا اشارہ صرف مساجد کی طرف ہی جا سکتا ہے۔ ''مسجد'' کو حدود اللہ سے

تعبیر کیا گیا ہے۔ ''مسجد'' کے بعد تلک حدود اللہ کہہ کر واضح کر دیا کہ مساجد اللہ کی حدود ہیں۔

دیکھئے کسی کو کسی چیز یا تعلیم کے قریب نہ جانے سے صرف دو ہی صورتوں میں روکا جا سکتا ہے۔ یعنی جب خود اس شخص کو کوئی خطرہ ہو یا اس چیز کو خطرہ ہو جس کے وہ قریب جا رہا ہے۔ یہاں دونوں خطرات موجود ہیں اصلاح معاشرہ پروگرام کی افادیت قبل از وقت بتائی جائے تو اصلاح معاشرہ کے پروگرام کے ناکام ہونے کا خطرہ موجود ہے اس لئے وہ اشخاص جو اس اصلاح معاشرہ کے پروگرام میں شریک ہیں نقصان اٹھائیں گے اور جن کے لئے یہ پروگرام کیا جا رہا ہے وہ بھی نقصان میں رہیں گے۔ ان حدود کو بغیر سمجھے بوجھے ان کے متعلق بات کرنا غلط انجام سے دوچار کر سکتا ہے۔ اس لئے ان کے قریب نہ جانا یہ حدود اللہ کسی صورت بھی روزہ سے متعلق نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے کہ حدود اللہ اگر روزہ کے احکامات ہیں تو ان کے قریب جانے سے کیوں روکا جا رہا ہے؟ اس کے بعد ارشاد ہوا۔۔۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

یہ وہ آیات یعنی احکامات ہیں جن کے ذریعے انسان متقی بنتا ہے۔ اور ان سب کا نچوڑ یعنی صوم کا لب لباب اور مقصود اگلی آیت میں پیش کر دیا۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

تم آپس میں اپنے مالوں کو باطل طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ ہی ان اموال کو حکام تک پہنچاؤ تا کہ تم بے اعتدالی سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ جانتے بوجھتے کھا جاؤ۔

ان تمام آیات کو اگر آپ ذہن میں رکھ کر صیام سے متعلق غور کریں تو ہمارے سامنے نقشہ ہی بالکل مختلف آتا ہے۔

حقیقت صوم (تلخیص)

"صوم" وہ عمل ہے جس کے ذریعے

ا۔۔۔۔انسان اپنی غلطی کا ازالہ کرتا ہے اور متقی بنتا ہے۔ احکامات الٰہی کے تابع رہتا ہے۔ اس الٰہی نظم کی جدوجہد کرتا ہے جس کے ذریعے معاشرہ میں مساکین کی بدحالی دور ہوتی ہے۔ اور نتیجتاً جب معاشرہ سدھرتا ہے تو خود انسانوں کی اپنی بہتری کے لئے ہوتا ہے۔ (آیات 184-183)

۲۔۔۔اگر معاشرہ میں افراتفری اور نفسا نفسی کا ماحول پیدا ہو جائے تو قرآن کی ہدایات اور فرقانیت کو بروئے کار لا کر صوم کے تربیتی پروگراموں کے ذریعے معاشرے کی تمام برائیوں کو روکا جاسکتا ہے۔ ان پروگرام کے ذریعے معاشرہ کی مشکلات دور ہوتی ہیں اور لوگوں کی زندگی آسان ہوتی ہے۔ انسان اپنی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے اور الٰہی نظام کا قیام عمل میں آتا ہے۔ اس پروگرام کا جب معاشرے کو علم دیا جاتا ہے تو سب کے ذھنوں میں ایک ہی سوال ابھرتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہو گا جس کا جواب دیا گیا کہ اس کے لئے معاشرہ کے افراد کو آگے بڑھنا ہو گا اور احکامات الٰہی کے ذریعے امن قائم کرنا ہو گا۔ (آیات 185-186)

۳۔۔۔اگر معاشرہ میں کمزور افراد کو کمی کمین کے درجے پر پہنچا دیا گیا ہو ان کی خون پسینے کی کمائی کو ہڑپ کیا جانے لگے۔ ان کے حقوق کو پامال کیا جانے لگے۔ ان سے ملنا جلنا بھی معیوب ہو۔ تو اس کے سدھار کے لئے سب سے پہلے ان غلط طریقوں کو ختم کرنا ہو گا۔ کمزور افراد سے بلا روک ٹوک میل ملاقات کرنا ہو گی انہیں خوشخبری دینی ہو گی کہ زمانہ بدل گیا ہے تم لوگ اسی معاشرے کے باعزت افراد ہو تمہاری خون پسینے کی کمائی صرف تمہاری ہی ہو گی۔ اس میں کوئی خیانت نہیں کرے گا۔ اور معاشرے کے پیمانوں کو بنانے کے لئے قرآن کے اصولوں کے مطابق معاشرہ کی غلط روش کو سمجھنا ہو گا اور معاشرہ کی اس اصلاح کی تکمیل اس وقت ہو گی جب اس صوم کا دائرہ کار ظلمت کے ہر ہر پہلو پر محیط ہو جائے۔ (آیت نمبر 187)

۴۔۔۔ لیکن معاشرہ میں کوئی بھی اعلان کرنے سے پہلے اس کے متعلق ہر وضاحت طلب سوال کا جواب اور نتائج سے آگاہی ضروری ہے۔ اس لئے قرآن کی آیات پر خوب خوب غور وخوض کے بعد ہی کسی خوش آئند اعلان کی اجازت ہوگی اور مختصر اصوم کا مقصد معاشرہ کی معاشی بدحالی کو ختم کرنا ہے جس کے ذریعے انسان دوسروں کے مال کو غلط طریقے سے نہیں کھاتا۔ جس وقت آپس کی چھینا جھپٹی افراتفری اور لڑائی جھگڑا ختم کرنے کی کوئی بھی مہم اٹھے گی تو پورا کا پورا معاشرہ صوم کی حالت میں ہوگا۔ (آیت نمبر 188)

صوم کے مقاصد

1۔ صوم ذریعہ ہے متقی بننے کا۔

2۔ صوم وہ پروگرام ہے جس کے ذریعے مساکین کی مسکنت دور ہوتی ہے۔

3۔ صوم وہ پروگرام ہے جس کے ذریعے معاشرے کی برائیاں دور کرنے کے لئے قرآن سے ہدایت لینی ہونگی اور قرآن کی فرقانیت کے ذریعے معاشرہ میں اچھائی اور برائی کی تمیز ہوگی۔ اور جس کا مشاہدہ جب بھی صالح شخص کرے گا تو اس معاشی استحصال کو روکنے کی کوشش کرے گا۔

4۔ صوم وہ پروگرام ہے جس سے معاشرہ میں آسانیاں پیدا ہونگی اور معاشرہ کی مشکلات دور ہونگی

5۔ صوم وہ پروگرام ہے جس کے ذریعے انسان معاشرے سے برائیاں دور کرنے کی استعداد حاصل کرے گا۔

6۔ صوم وہ پروگرام ہے جس کے ذریعے الٰہی احکامات پر مبنی ایک معاشرہ قائم ہوگا۔

7۔ صوم وہ پروگرام ہے کہ جب اس کے ذریعے اصلاح کی دعوت دی جائے گی تو معاشرہ کے افراد ضرور سوال کریں کہ ایسا معاشرہ کیسے اور کب متشکل ہوگا۔

8۔ صوم وہ پروگرام ہے جس کے لئے ہر انسان کو آگے بڑھنا ہوگا اور امن قائم کرنا ہوگا۔

9۔ صوم وہ پروگرام ہے جس کے ذریعے معاشرہ میں کوئی کمی کمین نہیں رہے ہوگا۔ بلکہ ہر انسان کو اس کا حق باعزت طریقے سے اس کی سعی کے مطابق ملے گا۔

10۔ صوم وہ پروگرام ہے جس کے ذریعے معاشی خیانت ختم ہوگی اور حقوق انسانی نہیں پامال کئے جائیں گے۔

11۔ صوم وہ پروگرام ہے جس کی بنیاد احکامات الٰہی یعنی قرآن الفجر کی آیات کے ذریعے انسانی استحصالی افکار سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ہو گی۔

12۔ اس پروگرام کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو گی جب تک یہ پروگرام معاشرے کے ہر ہر اندھیرے پر محیط نہ ہو جائے۔

13۔ لیکن اس پروگرام کے لئے خوب غور و خوض ہو گا۔ کوئی قبل از وقت قدم تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لئے جب اس پروگرام کے تحت وعدہ وعید ہوں تو وہی افراد اس بات کا حق رکھتے ہیں۔ جو احکامات الٰہی پر عبور حاصل کر چکے ہوں۔

14۔ اور اس کا لب لباب یہ ہے کہ معاشرہ کے افراد آپس میں مال باطل طریقے سے نہ کھائیں۔ جس کی سب سے بڑی جڑ و بنیاد یہ ہے کہ لوگوں کے مالوں کو حکام تک پہنچانے کا ذریعہ نہ بنیں۔ تاکہ لوگوں کے مالوں میں سے ایک حصہ جانتے بوجھتے خود ہڑپ کر جائیں۔

روزہ بطور سزا

اس سے پہلے کہ میں روزوں کی ماہیت پر کچھ عرض کروں میں قرآنی حلقوں کے کچھ صاحبان علم و دانش کی شکایت کا ازالہ کر دوں ۔ جنہوں نے مفسرین کے اس بیان کو کہ " قرآن میں بطور سزا روزے کا بیان چار سے زائد جگہ پر آیا ہے۔ " مجھ سے منسوب کر دیا ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ صوم ایک اصلاح معاشرہ کا تربیتی پروگرام ہے ۔ اصلاح معاشرہ کے تمام تربیتی پروگرام خواہ ابتدائی ہوں یا اختتامی ۔، تمام کے تمام بغیر کسی سزا کے عمل پذیر ہوتے ہیں۔ تربیت دینے والا اور تربیت لینے والا دونوں ہی انعام کے مستحق ہوتے ہیں نہ کہ سزا کے۔

روزہ تو بذات خود ایک سزا ہے جس میں بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا ہے ۔ ماں باپ کی محبت اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے بچے کو بھوکا پیاسا رکھیں پھر خدا سے ہم کیونکر یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ ہمیں بھوکا رکھے گا۔ آج کل تو قیدیوں کو بھی بھوکا نہیں رکھا جاتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یاد رکھئے بھوک اور پیاس تو خدا کا عذاب ہوتا ہے۔۔۔۔۔

آیئے اب ان مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں جہاں ہمارے مفسرین نے صوم سے متعلق آیات کو روزہ بنا کر بطور سزا بیان کیا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ آیا صوم کوئی اصلاحی عمل ہے یا یہ کہ سزا کے لئے دیے گئے بھوک پیاس کے روزے ہیں۔

ا۔ سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۹۶

سب سے پہلے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 196 کا مطالعہ کرتے ہیں جہاں سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مروجہ حج کے دوران سر منڈانے پر دس دن کے روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔۔۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ()

حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ پس اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو میسر آئے وہ قربانی دو اور اپنے سر کو نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اپنی جگہ (یعنی مکہ) پہنچ جائے۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ بدلہ دے روزے یا صدقہ یا قربانی سے۔ پھر جب تم امن میں ہو تو جو فائدہ اٹھائے عمرہ کا حج تک تو جو قربانی میسر ہو دے پس جو اس کی استطاعت نہ پائے تو وہ روزے رکھے تین دن کے حج کے ایام میں اور سات دن کے جب تم واپس لوٹو۔ یہ دس پورے ہیں۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام میں موجود نہ ہوں۔ اور اللہ کا تقوی اختیار کرو اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔ (عمومی ترجمہ)

ان آیات کے عمومی ترجمہ اور مفہوم کے تحت جو بتایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ۔۔۔

ا۔۔۔ اگر مروجہ حج یا عمرہ کے لئے سفر کرتے ہوئے گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو وہ مسجد حرام کی طرف روانہ کرو۔ اور جب تک قربانی مسجد حرام نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ

۲۔۔۔ لیکن اگر کوئی بیماری کی وجہ سے یا سر میں تکلیف کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہے تو وہ روزہ رکھ کر یا صدقہ دے کر یا کوئی عبادت یا قربانی کر کے کفارہ ادا کرے

۳۔۔۔ پھر جب امن کی حالت ہو جائے تو اگر کسی نے عمرہ کا فائدہ اٹھالیا ہے اور اب حج سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو ایک مرتبہ پھر جیسی قربانی میسر ہو کرے اور اگر قربانی نہ پائے

۴۔۔۔ تو تین روزے حج کے دوران اور سات روزے واپسی پر رکھے یہ کل ملا کر دس ہوتے ہیں۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام میں موجود نہ ہوں۔

۵۔۔۔ اللہ کا تقوی اختیار کرو۔ اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

آیئے اب سب سے پہلے پہلی کیفیت کے تحت جو حکم ہوا ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

ایک شخص مروجہ حج یا عمرہ کے لئے نکلا راستے میں اسے دشمن ملک سے گزر کر جانا ہے۔ کسی غلطی کی بنا پر دشمن ملک میں پکڑا گیا۔ ظاہر ہے اب وہ ایک قیدی کی کیفیت میں ہے۔ اس کی تمام ضروریات زندگی پر پابندی عائد کر دی جائے گی۔ اس کے باوجود اس کے پاس جو کچھ چھوڑا گیا تھا اس کو اس نے قربانی کی خرید پر خرچ کر دیا۔ اب وہ اس قربانی کو مکہ تک بھیجے گا۔ ایک لمحہ کے لئے وقفہ کیجئے اور سوچئے کہ۔۔۔

1۔ ایک قیدی یا محصور شخص کس طرح دشمن ملک میں قربانی کا جانور خریدے گا؟ وہ قید سے کیسے بھاگے گا کہ قربانی کا جانور خرید سکے؟

2۔ اس کے پاس اتنی رقم کہاں سے آئے گی کہ وہ بکرا خرید سکے۔؟

3۔ کون اس کے لئے قربانی کا جانور خریدنے کا انتظام کرے گا۔؟

4۔ کون اس جانور کو مکہ تک لے جائے گا۔؟

5۔ آج کل کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ علماء فرماتے ہیں کہ وہ رقم بھیج دے گا ....جی ہاں دشمن ملک سے کرنسی بھیجنا اتنا ہی آسان ہے؟ وہ ایک اور مصیبت میں پھنس جائے گا۔ اور کرنسی کے اسمگل کرنے کے جرم میں مزید سزا کا حق دار ہو گا۔

اسلام کی یہ مروجہ تعبیر تو 1400 سو سال سے چلی آرہی ہے۔۔۔ ذرا سوچئے کہ حج جب اونٹوں پر یا پیدل ہوا کرتا تھا تو اس وقت کے حالات میں دشمن ملک میں کس طرح یہ تمام مراحل تکمیل پاتے ہونگے۔؟

دوسری کیفیت جس میں وہ قیدی مزید مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی سر کے مرض کی وجہ سے اسے سر منڈانا پڑتا ہے۔ مثلاً ایک ذیابیطس کا مریض خون میں شوگر کی زیادتی کی وجہ سے سر کے پھوڑوں میں مبتلا ہو گیا اور علاج کے لئے سر کو منڈانا پڑا اس وجہ سے اس کو تین متبادل صورتوں میں سے ایک کو قبول کرنا ہے۔

ا۔۔روزہ رکھے.........سوچئے ایک ذیابیطس کے مریض کا روزہ رکھ کر کیا حال ہو گا........؟
جی ہاں وہ مر جائے گا۔

۲۔۔صدقہ دے..............وہ پہلے ہی قیدی بنا ہوا ہے۔ تمام مال و متاع دشمنوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ صدقہ کہاں سے دے گا۔۔؟

۳۔۔قربانی کرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔پہلے ہی جو میسر تھا وہ قربانی پر لگا چکا اب کہاں سے قربانی کرے گا؟ قربانی کی جگہ بعض مترجمین نے "نسک" کا ترجمہ عبادت کیا ہے۔ اب یہ کون سی نئ عبادت آگئی۔۔؟۔ نماز پہلے ہی پڑھ رہا ہے۔حج کر نہیں سکتا روزہ رکھ نہیں سکتا صدقہ دے نہیں سکتا۔

یہ تمام شرائط ایک بیمار قیدی کے لئے نا قابل عمل ہیں۔ خاص طور پر روزہ رکھ کر تو مریض موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ جب امن کی کیفیت ہو جائے تو حج اور عمرہ کرنے کے بعد۔۔۔ جو بھی آسانی سے میسر ہو تو ایک مرتبہ پھر قربانی دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قربانی۔، قربانی۔، قربانی ۔۔ ،اور اگر استطاعت نہیں ہے تو وہ حج کے دوران تین روزے رکھے گا اور واپس لوٹنے پر سات روزے پھر رکھے گا یہ پورے دس ہو گئے (عمومی ترجمہ)

آگے دیکھئے کہ آیت کا ترجمہ خود بتا رہا ہے کہ کچھ گڑ بڑ ہے ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط ("یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام (یعنی مکہ میں) رہنے والے نہ ہوں") یعنی مصیبت ہے بھی تو انہی کے لئے جو بے چارے باہر سے آرہے ہیں۔ مکے والے مزے لوٹ رہے ہیں۔ ان کے لئے کسی قسم کی بندش یا پابندی یا سزا نہیں۔ کیا مکے والے اللہ کے سگے ہیں اور تمام دنیا والے سوتیلے۔۔۔۔؟ حالانکہ رعایت تو

باہر سے آنے والوں کو ملنی چاہئے۔ اس آیت سے ہی اندازہ لگالیجئے کہ یہ حج اللہ کا نہیں بلکہ عربوں کی تخلیق ہے تاکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی خون پسینے کی کمائی کو لوٹ سکیں۔ آیئے اب ان آیات کا مطالع کرتے ہیں۔

الحج۔۔۔۔۔ کا مادہ ''ح ج ج'' ہے اس مادہ سے حجت، حاجت، احتجاج، محتاج وغیرہ الفاظ مشتق ہیں۔ ان سب الفاظ میں حاجت کا پہلو نمایاں ہے یہ کوئی ایسا عمل ہے جس میں بحث مباحثہ کے بعد انسانوں کی حاجت روائی کی جائے گی۔ انسان اپنی محرومیوں کے خلاف احتجاج بھی کر سکیں گے۔ جہاں سے انسانیت کے حقوق کی بازیابی ہوگی۔ لفظ ''الحج'' معرف بالام ہے۔ یہ اسم معرفہ ہے۔ یعنی حج ہزاروں طریقہ سے ہوتا ہے لیکن وہ خاص حج جو ان آیات میں بیان ہوا ہے ''الحج'' ہے۔

العمرۃ۔۔۔۔۔ بھی اسم معرفہ ہے کیونکہ معرف بالام ہے۔ "العمرۃ" کا مادہ ''ع م ر'' ہے جس کے معنی بہت معروف ہیں۔ عمر گزارنا، زندگی گزارنا، بسنا آباد کرنا۔ معمول کی پرامن زندگی گزاری جائے یا کسی محتاجی پر احتجاج کیا جائے ہر حالت میں اللہ کے احکامات کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہمارے مفسرین نے للّٰہ کو اللہ کی ذات کے لئے خوش کرنے کے طریقوں پر محمول کر کے ''الحج اور العمرۃ'' کو عبادات کے رنگ میں ڈھال دیا ہے۔ حالانکہ عمرہ اس زندگی کو کہتے ہیں۔ جو معمول کے مطابق امن کی کیفیت میں گزر رہی ہو۔ اور حج اس احتجاج کو کہتے ہیں جو حقوق کی بازیابی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس میں معاشرہ کی بے چینی سے لے کر جنگ کی کیفیت تک شامل ہے البتہ جنگ احتجاج کا سب سے بڑا طریقہ ہے اس لئے ''حج اکبر'' کہا گیا ہے۔

اس آیت کا اگلا جزو ہی بتا رہا ہے کہ اس مقام پر کیفیت امن کی نہیں ہے کیونکہ ارشاد ہوا۔ ''فإن احصرتم'' اگر تم محصور کر لئے جاؤ محصور کی کیفیت تنگی اور بے چینی کی ہوتی ہے۔ امن کی کیفیت نہیں ہوتی اور انسان احتجاج کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جب اس طرح کی تنگی کی کیفیت ہو تو حکم ہوا۔

''فما استیسر من الھدیٰ'' توجو بھی ہدایات سے میسر ہو۔ ''الھدیٰ'' بھی معرف بالام ہے۔اس لفظ کا ترجمہ قربانی کر کے ایک ایسے الٰہہ کا تصور دیا گیا جو خون کا پیاسا ہوتا ہے اس کے لئے قربانی دیکر خون بہانا عین ثواب سمجھا جاتا ہے۔ایک زمانہ تھا کہ جنگلی قوموں میں بچوں اور حسین عورتوں کی قربانی دے کر یہ رسم پوری کی جاتی تھی۔ آج انسانوں کی جگہ جانوروں کی قربانی دے کر یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔

''الھدیٰ'' ۔۔۔کا مادہ ''ھ د ی'' جس کے معنی ہدایات کے ہیں۔کیونکہ احتجاج کرتے ہوئے انسان اس خطرہ کو مول لیتا ہے کہ پکڑا جائے، اس لئے اگر ایسا ہو جائے اور ہدایات کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو جو بھی ہدایات میسر ہوں ان پر عمل کیا جائے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ دشمن کو اس مہم کے کرتا دھرتا لوگوں کا پتہ نہ لگنے پائے۔ ''ولا تحلقو رؤسکم'' اپنے رئیسوں کا حلقہ نہ بناؤ۔

اگر دشمن کو مہم کے لیڈران کا پتہ لگ جاتا ہے تو مہم ناکام ہو جاتی ہے اور اگر تمہاری استطاعت کی کمی کی وجہ سے تمہارا اپنے رئیس سے ہی لائحہ عمل میں اختلاف ہو گیا ہے یا تمہارے رئیس کے حکم کی وجہ سے تم ایزا میں مبتلا ہو گئے ہو تو پہلے اس کے متعلق تربیت حاصل کرو اس لئے ارشاد ہوا ''فمن کان منکم مریضاً'' پس تم میں سے جو کوئی کسی کمی میں مبتلا ہو ''او بہ اذا من راسہ'' یا یہ کہ اس کمی کی وجہ سے رئیس کی طرف سے کسی ایزا میں مبتلا ہو گئے ہو تو تربیت حاصل کرو یا کوئی ایسا عمل کرو جس سے تمہارا دعویٰ سچ ثابت ہو ورنہ کسی اور کام کی ذمہ داری دی جائے گی۔

مہم میں رئیس سے اختلاف کی وجہ کانا پھونسی ہو یا بد کلامی، یا حکم عدولی ہو یا نوبت جھگڑے تک پہنچ گئی ہو تو حج کے معاملے میں نہ تو بد کلامی ہونی چاہئے اور نہ ہی حکم عدولی اور نہ ہی جھگڑا۔ اور حج کے اجتماع کے دوران ہی اخلاقی اصلاح کے تربیتی کورس ہونگے جن میں کانا پھونسی کے ذریعے رئیس کی حکم عدولی، بد کلامی یا جھگڑے سے بچنے کی تربیت دی جائے گی۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

پس جب تم امن میں آجاؤ تو جس نے امن سے لیکر احتجاج کرنے تک جو بھی ہدایات میسر ہوں انکے مطابق فائدہ حاصل کرنا ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

پس جو ہدایات کو نہ پائے تو حج کے اجتماع کے دوران ہی اخلاقی اصلاح کے تربیتی کورس ہونگے جن میں ایسے وقت کی جس میں ثَلٰثَةِ (کاناپھونسی) کے ذریعے رئیس کی حکم عدولی، بدکلامی یا جھگڑے سے بچنے کی تربیت دی جائے گی۔ اور مزید تربیتی کورسز جب تم رجوع کرتے ہو یہ معاشرہ کی تکمیل ہے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

یہ حکم ان کے لئے ہے جن کی اہلیت ان احکامات ممنوعہ پر جو پابند کرتے ہیں کاربند رہنے کی نہیں ہے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ اللہ پکڑ میں سخت ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ط

احتجاج کی وجوہات معلوم ہیں۔ پس جس نے بھی ان وجوہات کے معاملے میں حجت قائم کرنی چاہی تو احتجاج میں کوئی رفث (بدگوئی، بدکلامی) یا فسوق (حکم عدولی) یا جدال (جھگڑا) نہیں ہونا چاہئے۔ اور جو کچھ بھی تم خیر سے کروگے تو وہ اللہ کو معلوم ہوتا ہے۔

یعنی حج کے معاملے میں نہ تو کوئی بدگوئی ہونی چاہئے، نہ ہی کوئی قانون شکنی اور نہ ہی آپس میں لڑائی جھگڑا اور جو کچھ بھی تم خیر (احکامات الٰہی) سے کروگے تو اللہ کو اسکا علم ہوتا ہے۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى

مزید آگے بڑھتے رہو تو یقیناً ایسی بڑھوتری جو احکامات الٰہی سے ہم آہنگ ہو خیر ہے

وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ

اے اہل علم و دانش میرے احکامات سے ہم آہنگ رہو۔

دیکھئے ان احکامات میں دو دفعہ تقویٰ کی بات کی گئی ایک دفعہ آیت نمبر 196 کے اخیر میں کہا گیا" **واتقو الله**" اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور دوسری دفعہ آیت نمبر 197 میں کہا گیا "**واتقون یا اولی الالباب** "اے اہل علم و دانش میرا ہی تقویٰ اختیار کرو اس کا مطلب ہے کہ ان احکامات میں عام لوگوں سے خطاب نہیں ہے بلکہ جو قوم کے اولی الالباب ہیں ان سے کہا گیا ہے۔یعنی حج کا عمل عام لوگوں کا نہیں ہے بلکہ اہل علم اور ذمہ دار افراد کا کام ہے۔ جن سے کہا گیا کہ اللہ کے احکامات کے ساتھ ہم آہنگ رہو اور حج کے معاملات میں آگے بڑھتے رہو اور جتنا تقویٰ میں آگے بڑھو گے یعنی احکامات الٰہی سے ہم آہنگ رہو گے اتنا ہی خیر ہے اور یہ حکم اولی الباب کے لئے ہے جس کا مطلب ہے کہ احتجاج کے ذمہ دار افراد اہل علم و دانش ہونگے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عام لوگوں کو اپنے حقوق کا علم ہی نہیں ہو گا۔ ۔۔ایک طرف تو معاشرہ کے اہل علم و دانش عوام کو ان کے حقوق سمجھائیں گے تو دوسری طرف اہل اقتدار تک ان کی آواز پہنچائیں گے۔

ماحاصل۔۔۔

اس آیت میں کسی ایسی حالت کا ذکر ہو رہا ہے جس کے لئے حجت قائم کرنی ہے اور احتجاج کرنا ہے۔ احتجاج کرتے ہوئے لوگ محصور بھی ہو سکتے ہیں ایسی حالت میں تمہاری لاعلمی کی وجہ سے رئیس کی حکم عدولی تمام مہم کو خراب کر سکتی ہے اس لئے کہا گیا کہ اگر تم کو رئیس کے احکامات کی وجہ سے تکلیف پہنچ رہی ہے تو تم کو اپنی لاعلمی کا ازالہ کرنا ہے اور اسکے تین طریقے ہیں۔ایک ہے تربیت لے کر یعنی جس چیز کی کمی کی وجہ سے تم نے اپنے رئیس سے کی حکم عدولی کی ہے اس کے متعلق تربیت لو اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو خود ہی کوئی ایسا عمل کرو کہ تمہاری بات سچ ثابت ہو اور اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو غور و خوض کے بعد تمہارے لئے کوئی عمل تجویز کیا جا سکتا ہے۔ پھر جب

احتجاج کی حالت ختم ہو جائے اور امن کی کیفیت ہو جائے یعنی (حج جو اصلاً امن کی کیفیت کے برخلاف پریشانی اور تنگی کے خلاف احتجاج کی کیفیت ہوتی ہے)۔ تو جو ہدایات میسر ہوں ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ لیکن اگر ہدایات کا حصول ممکن نہیں تو پھر اس کو حج کے معاملے میں اخلاقی اصلاح کے تربیتی کورسز سے گزرنا ہوگا۔ جو رئیس کے خلاف کانا پھونسی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور جو بدکلامی۔، حکم عدولی اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز پر مشتمل ہونگے۔ یہی وہ تربیتی کورسز ہیں جن کو اگلی آیت میں یوں بیان کیا گیا۔۔۔ ،اس لئے امن سے لیکر احتجاج تک جو ہدایات میسر ہوں ان سے فائدہ اٹھائیں۔

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ

احتجاج کے معاملے میں کوئی بدکلامی کوئی حکم عدولی یا لڑائی جھگڑا نہیں ہوگا۔

اس حکم سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آیت نمبر 196 میں رئیس کے خلاف جو حکم عدولی ہوئی ہے وہ رئیس سے اختلاف کی بنیاد پر تھی جس میں بدکلامی یا حکم عدولی یا جھگڑے تک بات پہنچ گئی تھی۔ اس کے ازالہ کے لئے ان تربیتی ادوار سے گزرنا ہوگا جس میں رئیس کے خلاف لوگوں کے کان بھرنے اور حکم عدولی سے روکا جائیگا۔ ان کے علاوہ بھی کئی کورسز اس وقت ہونگے جب احتجاج کے بعد امن کی کیفیت ہوگی جس کی وجہ سے معاشرہ کی عشرت یعنی خوشحالی کی تکمیل ہوگی۔

سورہ النساء آیت نمبر ۹۲

اس آیت مبارکہ میں ایک ایسی صورتحال سے دوچار ہونے کے بعد اللہ کی طرف سے سزا یا جزا کا اعلان ہے کہ جس میں کسی شخص سے مومن کا قتل ہو جاتا ہے۔ اس مکمل آیت میں قتل خطاء اور قتل عمد دونوں کا بیان موجود ہے۔ اس آیت کے پس منظر میں جنگی کیفیت کا ذکر ہے جس میں کچھ لوگوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے۔ کہ کس کس طرح کے لوگوں سے سابقہ پڑے گا۔

ا۔۔۔۔ایک تو وہ لوگ ہیں جو کہ جنگ سے کنی کتراتے ہیں ایسے لوگوں کو اپنا ساتھی نہ سمجھو بلکہ پہلے ان کو پرکھ لو اور اگر یہ تمہارے ساتھ نکلنے کو تیار ہوں تو پھر یہ تمہارے ساتھی یا مددگار ہو سکتے ہیں۔

۲۔۔۔۔دوسرے وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی جگہ کے ہیں جن کے ساتھ تمہارے اور ان کے لوگوں کے درمیان معاہدہ ہے۔ اس لئے اگر اس قوم کے لوگ تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ تم نے ان کی قوم سے معاہدہ کیا ہوا ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

۳۔۔۔۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو تمہارے ساتھ بھی امن کا دعوی کرتے ہیں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی امن کے دعویدار ہیں لیکن جس وقت بھی کسی آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں تو اس میں اوندھے منہ گرتے ہیں تو ایسے لوگ اگر باز نہیں آتے اور تمہاری طرف سلامتی کا ہاتھ نہیں بڑھاتے اور اپنے ہاتھوں کو تمہارے خلاف اٹھنے سے نہیں روکتے تو ایسے لوگوں کا مواخذہ کرو اور ان سے جنگ کرو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ تمہیں جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ اس پس منظر کے بعد قرآن کہتا ہے۔۔۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّاخَطَـًٔا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا

یہ مومن کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی مومن کا قتل کرے اور اگر کسی مومن نے کسی مومن کا قتل غلطی سے کر دیا تو اسے ایک گردن کو آزاد کرنا ہو گا۔ اور اس کے اہل خانہ کے لئے دیت کا انتظام کرنا ہے

مزید آگے بیان ہوا

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّـكُمْ وَهُوَمُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

پس اگر کہ وہ ایسی قوم سے ہے جو تمہاری دشمن ہے لیکن وہ خود مومن ہے تو صرف ایک گردن کو آزاد کرنا ہے۔(عمومی ترجمہ)

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ م بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌفَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓی اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

اور اگر کہ وہ ایسی قوم سے ہے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے اہل خانہ کے لئے دیت کا انتظام کرنا ہے۔ مزید ایک گردن کا آزاد کرنا ہے۔(عمومی ترجمہ)

مفسرین کے مطابق ان تین کیفیات کا ذکر کرنے کے بعد آگے ارشاد ہے کہ۔۔۔

''فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ'' البتہ جو نہ پائے تو وہ دو ماہ کے روزے رکھے تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْماً ۔ یہ اللہ کی طرف سے رعایت ہے اور اللہ کا یہ عمل علم و حکمت پر مبنی ہے۔

آپ نے غور کیا کہ مفسرین کے مطابق جنگی کیفیت میں اگر کسی ایسے شخص کے ہاتھوں جو مومن ہے کسی ایسے شخص کا قتل ہو جاتا ہے۔ جو مومن تھا تو تین حالات کے مطابق فیصلہ ہو گا۔ تین مختلف کیفیات و حالات کے مطابق بتایا گیا ہے کہ اسے یا تو ایک گردن کو آزاد کرنا ہے دوسری حالت میں نہ صرف گردن کو آزاد کرنا ہے بلکہ دیت بھی دینی ہے۔ لیکن اگر قاتل ان حالات کے مطابق اس سزا کو سر انجام دینے سے قاصر ہے تو اس کے لئے " فصیام شهرین متتابعین " دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے۔ یعنی قاتل نہ تو دیت کا انتظام کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی گردن کو آزاد کر سکتا ہے تو اس کو دو ماہ کے روزے رکھنا ہیں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے.................. قتل کی سزا دو ماہ کے روزے۔ یعنی ایک قاتل شخص کو ایسی سزا دی جا رہی ہے جس پر نگہبانی بھی ممکن نہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت کسی شخص کو پانی پینے سے نہیں روک سکتی انسان گندگی کو صاف کرنے کے لئے علیحدگی اختیار کرتا ہے جسم کو صاف رکھنے کے لئے اور نہانے دھونے کے لئے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔ اور اس وقت کوئی بھی اس پر نگہبانی

نہیں کر سکتا۔ قاتل نہاتے نہاتے اتنا پانی پی سکتا ہے جو اس کی دن بھر کی پیاس بجھا سکے۔ اور اگر کسی شخص کی پانی کی پیاس بجھ جائے تو روزہ کوئی مسئلہ نہیں ہوتا ہے۔

دیکھئے قتل ایک قبیح جرم ہے اس لئے متعین کرنا ہوگا کہ قتل واقعی غلطی سے ہو گیا ہے یا عمداً ۔۔۔اور اگر غلطی سے ہوا ہے تو اسے سزا کس بات کی البتہ اس کی اصلاح کے لئے کہ آئندہ ایسی حرکت سرزد نہ ہو اس کو یقیناً جنگی تربیت میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ ورنہ ایسی غلطی کے ہونے کا امکان ضرور ہو گا۔ یہاں صوم اسی غلطی کے آئندہ سرزد نہ ہونے کا تربیتی عمل ہے قتل کے سلسلے میں دونوں پہلو مد نظر رکھے جائیں گے یعنی جنگ کی کیفیت میں کفار سے قتال اور مومن سے قتل خطا نہ کرنے کا پہلو۔

اس لئے یقیناً صوم کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں ہے بلکہ ان حالات سے بچنے کا نام ہے جن میں انسان سے قتل سرزد ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ یہاں ایک بات نوٹ کر لیجئے کہ آیات کا ترجمہ عمومی پیش کیا گیا ہے تاکہ انہی تراجم سے ثابت کیا جائے کہ مروجہ روزہ صوم کی جگہ نہیں لے سکتا۔ ان آیات میں دو اصطلاحات غور طلب ہیں۔

ا۔۔۔ تحریر رقبہ

اس کے عموماً معنی ایک غلام کو آزاد کرنے کے لئے جاتے ہیں حالانکہ تحریر ایک لکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ اور تحریر رقبۃ ایک ایسی تحریر جس کے ذریعے کسی کی گردن پر ہاتھ ڈالا جائے یا کسی نے کسی مسئلہ میں اپنی گردن پھنسائی ہے تو اسے اس مشکل سے آزاد کرایا جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں اگر تو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ احکامات ہر زمان و مکان کے لئے اہمیت رکھتے ہیں اور اعلی اقدار کے حامل ہیں تو پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کے معنی و مفہوم اس وقت ہی لیا جا سکتا ہے جب کہ اسلام میں غلام رکھنے کی اجازت ہو۔

اور اگر کسی زمانے میں بھی اس طرح انسانوں کے کاروبار کی اجازت نہیں ہو سکتی تو پھر ''**تحریر رقبۃ**'' کے معنی ایک غلام کو آزاد کرنا ہو ہی نہیں سکتے۔

ایک طرف تو ہم دعویدار ہیں کہ اسلام انتہائی نفیس، شائستہ اور اعلی اخلاقیات کا حامل مذہب ہے اور سلامتی اور امن کا گھوارہ ہے لیکن دوسری طرف ہم فقہ اور احادیث کے زیر اثر اس میں نفاست اور شائستگی تو دور کی بات انتہائی سفاکانہ اصولوں کو پاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا قصور نہیں بلکہ اس پر عمل پیرا مسلمانوں کا قصور ہے۔ دیکھئے مذہب پہچانا جاتا ہے اس پر عمل پیرا لوگوں کی شخصیت اور کردار سے آج مسلمان کو مہذب کہنا تو دور کی بات اسکی شکل ہی اتنی وحشیانہ بن گئی ہے کہ بچے تو بچے بڑے بھی دیکھتے ہیں تو خوف کھاتے ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک نہیں جہاں مسلمانوں نے معصوم جانوں کے خون سے ہولی نہ کھیلی ہو۔

آخر اس کی وجہ کیا ہے؟۔۔۔۔۔اس کی وجہ صرف وہ نظریات و خیالات ہیں جو اس قسم کے جرائم کو خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں۔

اس معاملے میں صرف مسلمان ہی نہیں دنیا کی ہر قوم کبھی نہ کبھی ضرور ملوث رہی ہے۔ لیکن انہوں نے وقت کے ساتھ ساتھ ان خیالات و نظریات کی تطہیر کرلی جن کی وجہ سے انسانیت پر ظلم روا رکھا جاتا تھا۔ لیکن ہم ابھی تک ان خیالات و نظریات سے پیچھا نہیں چھڑا سکے جس کی قرآن میں کہیں جگہ نہ تھی اور نہ ہے۔ ہم نے جب سے اسلام کی جدید تعبیر کو درآمد کیا ہے لوٹ مار اور قتل وغارت گری میں ملوث ہوگئے ہیں۔ ہمارے بزرگان دین نے جس قرآنی اسلام کو پیش کیا تھا اس میں عبادات کا عمل دخل نہ تھا بلکہ حقوق العباد کی بات تھی۔

۲۔۔۔ شہرین متتابعین

بہتر ہو گا کہ اس صطلاح کو بھی اسی جگہ سمجھ لیا جائے تاکہ آگے جن آیات میں یہ اصطلاح آئی ہے وہ خودبخود کھلتی چلی جائیں۔ **شہرین** تثنیہ کا صیغہ ہے اور **شہر** کے معنی حالت کیفیت کے ہیں اس لئے **شہرین** کے معنی ہوئے دو حالات یا دو کیفیات۔ "**شہرین**" یعنی یہ دو کیفیات امن اور کشیدگی کی حالتیں ہیں جس کے متعلق ان کو تربیت دی جائے گی کہ کس طرح کشیدگی کو ختم کیا جائے اور امن کی حالت کا دور دورہ ہو جو لگاتار ''**متتابعین**'' قائم رکھی جائیں گی۔

سورہ المائدہ آیت نمبر ۸۹

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

اللہ تمہاری ان قسموں کا مواخذہ نہیں کرتا جو لغو ہوں لیکن ان قسموں کا ضرور مواخذہ کرتا ہے جو کہ معاہدہ کے ذریعے کی جائیں۔ پس اس کا کفارہ ہے دس مساکین کا وہ اوسط کھانا جو تم اپنے ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط اہل خانہ کے لئے انتظام کرتے ہو یا ان کا لباس یا ایک گردن کا آزاد کرنا۔ پس جو نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری ان قسموں کا کفارہ ہے جو تم حلفیہ کھاتے ہو۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات واضح کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ (عمومی ترجمہ)

آپ نے اس عمومی ترجمہ سے دیکھ لیا کہ۔۔۔

۱۔۔ لغو قسمیں اگر کوئی کھالے تو اس کا کوئی مواخذہ نہیں

۲۔۔ مواخذہ صرف ان قسموں کا ہی ہوگا جو دل کی گہرائی اور ارادے کی پختگی سے کی جائیں

۳۔۔ لیکن ایسی قسموں کو پورا نہ کرنے کا بھی کفارہ ہے۔

۴۔۔ دس مساکین کا کھانا۔۔۔ یا

۵۔۔ دس مساکین کے کپڑوں کا انتظام۔۔۔ یا

۶۔۔ ایک غلام کو آزاد کرنا

اول تو اس ترجمہ سے ہی بہت چھوٹ مل گئی اور وہ یہ کہ قسم کے اس طرح توڑنے سے دوسرے کا جو نقصان ہوا ہے اس کے ازالہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ خواہ قسم کے ذریعے نقصان چھوٹا ہو یا بڑا سزا میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی ہے۔

اس کے بعد جو چھوٹ ملی ہے وہ تو کمال ہی کی ہے۔ یعنی اگر قسم کھانے والا نہ تو کھانا کھلانے کے قابل ہو اور نہ ہی کپڑوں کا انتظام کرنے کے قابل ہو تو وہ ایک غلام کو آزاد کرے۔ یعنی ایک انسانی غلام کی قیمت دس مساکین کے کھانے یا دس مساکین کے کپڑوں سے بھی کم ہوئی۔

اور سب سے بڑھ کر اگر وہ اس طرح کا کھانا یا کپڑوں کا انتظام نہیں کر سکتا جو اپنے اہل خانہ کو کراتا ہے اور نہ ہی ایک غلام کو آزاد کر سکتا ہے تو اس سے بھی آسان کام کرے کہ تین دن کے روزے رکھ لے۔۔۔۔۔۔ تین دن کے روزے............؟ **یا للعجب**۔۔۔۔۔!!!

کتنا آسان نسخہ ہے چند گھنٹوں کیلئے بھوکا پیاسا رہ کر بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بھوکا رہ کر اس لئے کہ پیاس بجھانے کے لئے پانی ہر جگہ موجود ہوتا ہے اور پانی پینے پر نگہبانی بھی ناممکن ہے۔ تمام عہد و پیمان سے بری ہو گیا۔ یقیناً صوم اس طرح کا روزہ نہیں جس سے عہد و پیمان کے توڑنے کی آسانی ہو جائے۔

یاد رکھئے سورۃ المائدہ کا بنیادی موضوع ہے عہد و پیمان اور اس آیت میں بھی اس عہد کے توڑنے کی بات کی گئی ہے جس کی وجہ سے انسان اس چیز کو جائز قرار دیتا ہے جس کی اس کو اجازت نہیں ہوتی۔ یعنی یہ معاشرہ کے کسی اصول کو توڑنے کی بات ہے۔ ما قبل آیات 57 اور 58 کا مطالعہ کر لیجئے جس میں کہا گیا کہ تم موزوں چیزوں کو ناجائز نہ قرار دو اور حد سے نہ گزرو کیونکہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ تم وہ کچھ حاصل کرو جو اللہ نے تمہارے لئے جائز اور پسندیدہ قرار دیا ہے اور اللہ کا تقوی اختیار کرو جس کے ساتھ تم اہل ایمان یعنی امن دینے والے لوگ ہو۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر کسی یمن و سعادت کے پہلو سے کسی عہد میں کوتاہی ہو گئی ہو جو غیر ارادی ہے تو اسکا مواخذہ نہیں ہے لیکن وہ بات جو ارادتاً کی جائے اس کے لئے مواخذہ ہے کہ۔۔۔

۱۔ تم معاشرے کے مساکین کے تمام تر ضروریات زندگی (طعام) کا انتظام کرو گے۔

۲۔ یا ایسی تحریر جس سے کسی مصیبت زدہ کی پھنسی گردن کو آزادی ملے یا اگر تم نے پھر غلطی کی تو تمہاری گردن زدنی کی جا سکے یعنی تمہیں پکڑا جا سکے۔

۳۔ یا تمہاری ایسی تربیت کی جائے جس سے آئندہ تم اس طرح کی ریاستی نقصان کا باعث نہ بنو۔

سورۃ المائدہ آیت نمبر 95

ارشاد ہے۔۔۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ط عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ط وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ

اے اہل ایمان احرام کی حالت میں شکار نہ کرو۔ اور جس کسی نے اس کا ارادہ سے قتل کیا تو اس کی سزا اس جانور کی مثل ہے جو اس نے قتل کیا۔ تم میں سے دو عدل والے فیصلہ کریں گے اس قربانی کا جو کعبہ پہنچائی جائے گی۔ یا کفارہ ہے مسکین کے کھانے کا یا اس کے برابر روزہ کا۔ تا کہ وہ اپنے کئے کا مزا چکھے جو گزر چکا اس سے اللہ نے درگزر کیا لیکن جو اعادہ کرے تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور وہ غالب ہے انتقام لینے والا۔ (عمومی ترجمہ)

اس ترجمے سے معلوم ہوا کہ حج کے دوران اگر کوئی شخص احرام میں ہے تو اسے جانور مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن اگر اس نے خلاف ورزی کرتے ہوئے جانور مار لیا ہے تو۔۔۔

۱۔۔ اس جیسا ہی جانور اسے قربان کرنا ہو گا اور کعبہ تک پہنچانا ہو گا

۲۔۔ اس کا فیصلہ دو عدل کرنے والے کریں گے کہ وہ قربانی کا جانور ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ اس شخص نے شکار کیا تھا۔

یا اس کا کفارہ یہ ہو گا کہ وہ۔۔۔

ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

یا اس کے برابر روزے رکھے۔

مفسرین نے اس حکم کی حکمت بھی بیان کر دی جو انتہائی عجیب ہے کہ اس نے جو شکار کیا تھا تو اس کو اس جرم کی سزا ملے گی اور وہ یہ کہ اس نے ایک جانور اس سے

پہلے مارا ہے اب ایک جانور اور مارے گا تاکہ کفارہ ادا ہو اور یہ اس کے کئے کی سزا ہے۔۔ لیکن اس آیت سے یہ نہ معلوم ہوا کہ اس کے کھانے میں جو گوشت آئے گا وہ کس جانور کا ہو گا اور اسے کون شکار کرے گا۔ کہنے کی کچھ ضرورت نہیں ترجمے کی بیہودگی خود عیاں ہے کیا ایک پرندہ یا چوپائے کے شکار کے لئے دو ججوں پر عدالت قائم ہو گی؟ اور وہ فیصلہ کرے گی کہ اس شخص نے جو شکار کیا ہے اس کے بدلے جو جانور پیش کیا جا رہا ہے وہ واقعی اس جیسا ہی ہے۔۔۔۔۔ اگر وہ شخص آئندہ بھی ارادتاً اسی طرح کا شکار کرتا ہے تو اللہ بنفس نفیس خود انتقام لے گا۔ آپ کا کیا خیال ہے اس ترجمہ کے بارے میں۔۔۔؟؟۔۔۔ کیا دو ججوں پر مشتمل عدالتی بنچ اسی طرح کے کام کرتی ہے۔۔۔۔۔۔؟؟؟

اصلاً یہ انسانی قتل کا مسئلہ ہے۔۔۔!!--- اور اسی وجہ سے اگر اعادہ کیا گیا تو اللہ خود بنفس نفیس انتقام لے گا۔

اور آیت کی ابتدا میں "انتم حرم" کا ترجمہ تم حالت احرام میں ہو لغو ہے۔ اصلاً تو سورۃ المائدہ معاہدوں سے متعلق ہے اسی لئے قسموں اور معاہدوں کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ اور "انتم حرم" کے معنی ہیں "تم معاہدوں کے پابند ہو" جس طرح سورۃ کی ابتداء ہوتی ہے واضح ہو جاتا ہے کہ سورۃ میں کس موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے سورۃ شروع ہی ہوتی ہے۔۔۔

اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ

اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو۔

لیکن اس کے بعد مترجمین نے اسے غلط معنی و مفہوم پہنا کر کچھ سے کچھ کر دیا۔ ان آیات کو مروجہ روائتی حج پر منطبق کر دیا ہے۔ جس میں انسان اپنا لباس اتار کر دو چادروں میں لپٹ جاتا ہے

جسے احرام کہتے ہیں۔ اس طرح ''انتم حرم'' کا ترجمہ کرتے ہیں تم احرام میں ہو۔ حالانکہ عہد و پیمان کا احرام کے باندھنے سے کیا تعلق۔ ''انتم حرم'' تم پابند ہو۔ یعنی تم نے جو عہد و پیمان کئے ہیں اس کی وجہ سے پابند ہو۔

یہ ایک معاہدہ کو توڑنے کی بات ہو رہی ہے۔ جب تک معاہدہ کی وجہ سے پابندی عائد ہے (انتم حرم) اس وقت تک کوئی عہد کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔ کیونکہ سورۃ المائدہ میں خاص حالات کے تحت پابندیوں کا ذکر ہے جس میں قید و بند کی صعوبتوں کا بھی ذکر ہے اس لئے اگر ایسے معاہدوں کی رو سے قید و بند کی بندش کو کوئی توڑتا ہے تو اس کا فیصلہ ان ہدایات کے مطابق ہو گا جن کا مقصود بلند و بالا اقدار ہیں (بلغ الکعبۃ)۔ ہمارے یہاں فصیح و بلیغ وہ چیز ہوتی ہے جو انتہائی نفیس ہو اور کعبہ بذات خود بلند مقام کو کہا جاتا ہے۔

یعنی دو اہل عدل ایسا فیصلہ کریں گے جو انتہائی فصیح و بلیغ اور بلندیوں کو پہنچنے والا ہو گا۔ جس میں بطور سزا مساکین کی ضروریات کا بہم پہنچانا ہے ورنہ وہ تربیتی کورس کے لئے جائے گا تاکہ آئندہ وہ اس قسم کی حرکت نہ کرے اور اس تربیتی کورس کو صیام کہا گیا ہے۔ جس کے متعلق بھی اہل عدل فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔ یاد رکھئے سورۃ المائدہ کا موضوع اقوام کے درمیان عہد و پیمان ہیں قوم خواہ اپنی ہو یا دوسروں کی۔ لیکن اگر اس نے پھر اعادہ کیا تو سلطنت اسکو سخت سے سخت سزا دیگی۔

سورہ المجادلہ آیت نمبر ۴

کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس میں عمومی ترجمہ کے لحاظ سے دو ماہ کے روزوں کا ذکر ہے۔ لیکن اس جگہ پر مفسرین کی کم عقلی کا رونا رویا جائے یا یہ کہ اپنی نادانی کا ماتم کیا جائے ....؟ کہ ہم ایسے تراجم پڑھتے ہوئے ذرا بھی غور نہیں کرتے کہ مترجم کس طرح کی غیر منطقی باتیں کر رہا ہے۔

سورۃ المجادلہ کا شان نزول بیان کیا جاتا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو "ماں" کہہ کر پکار لیا تھا جسے عرب کے لوگ ظہار کہتے ہیں اس لئے اس کے اس کہنے پر اس کی بیوی رسالتماب کے سامنے شکایت کرنے آئی تھی اور اللہ اس بحث کو سن رہا تھا تو اس نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔۔۔

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ () فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ()

کہ وہ لوگ جو اپنی بیویوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں دراصل وہ انکی مائیں نہیں ہیں بلکہ مائیں تو وہی ہوتی ہیں جو انکو پیدا کرتی ہیں اصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگ ایک ایسی بات کر رہے ہیں جو منکر ہے اور قول زور یعنی دھاندلی ہے۔ پھر جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر چکے اور واپس آنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو چاہیے کہ وہ ایک غلام کو آزاد کرائیں اس سے پہلے کہ چھوئیں۔ اس بات کی تم لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے عمل سے باخبر ہے۔ پس جو نہ پائے تو روزے رکھنا ہے دو ماہ کے لگاتار اس سے پہلے کہ وہ دونوں چھوئیں۔ اور جو اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے (عمومی ترجمہ)

اس آیت کا شان نزول بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو ماں کہہ دیا اور اب وہ اس سے تعلقات رکھنا چاہتا ہے تو اس سے پہلے کہ وہ تعلقات قائم کرے اس کو چاہیے کہ وہ ایک غلام کو آزاد کرائے اگر وہ غلام آزاد نہ کرا پائے تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے اور اگر اس کی استطاعت نہ رکھے تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ المجادلہ کی ابتدائی آیات کے عمومی ترجمے کے بعد یہ موضوع ہی بدلتا نظر آتا ہے۔ آیت نمبر 5 سے کسی بھی بیوی اور میاں کے جھگڑے کی بات نہیں نظر آرہی بلکہ مملکت الہیہ کے خلاف کسی سازش کا ذکر نظر آرہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ م بَيِّنٰتٍ ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

جو لوگ اللہ اور رسول (مملکت الہیہ) سے مخالفت کرتے ہیں۔ وہ اسی طرح ذلیل و خوار کر دیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل و خوار کئے جا چکے ہیں۔ یعنی بیوی سے نہیں بلکہ اللہ اور رسول (مملکت الہیہ) سے مخالفت کر رہے تھے۔ اور یہ نئی بات نہیں تھی بلکہ اس سے پہلے بھی لوگ اللہ اور رسول (مملکت الہیہ) سے مخالفت کرتے رہے تھے۔ اور ہم نے واضح احکامات نازل کر دیے ہیں اور کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے

دیکھئے ظہار کا عمل ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور کافر اس بات سے نہیں ہوتا کہ اس نے بیوی کو ماں کہہ دیا بلکہ اس نے اللہ اور رسول یعنی مملکت الہیہ کے خلاف سازش کی اور ظہار یعنی غلبہ پانے کی کوشش کی۔ اسلئے یاد رکھئے کہ ظہار مملکت الہیہ کے خلاف اعلان جنگ و بغاوت ہے۔ یہ کسی صورت بھی بیوی کو ماں کہہ دینا نہیں ہے۔۔۔ آگے ارشاد ہے۔۔۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ط اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ

جس دن مملکت الہیہ سب کو کھڑا کرے گی اور ان کو بتائے گی کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ مملکت الہیہ نے سب کچھ محفوظ کر رکھا ہے جب کہ وہ مملکت الہیہ کو بھول گئے تھے اور مملکت الہیہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

یعنی ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان سب کا محاسبہ ہو گا ان کو مجرم کے طور پر لا کھڑا کیا جائے گا اور مقدمہ قائم کیا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ کیا تھا تم تو اس کو بھلا چکے تھے لیکن مملکت الہیہ نے سب کا

حساب کر رکھا ہے۔ اور وہ ہر بات پر گواہ ہے۔ آگے کی آیات اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ یہ بات حکومت کے خلاف سازش کی تھی۔ ارشاد ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلاثَةٍ إِلا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلا خَمْسَةٍ إِلا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلا أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلا أَكْثَرَ إِلا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ()

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بلند وزیریں (حکام اور عوام) میں جو کچھ ہے اس کا علم مملکت الہیہ کو ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا وہ نہ ہو یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چھٹا وہ نہ ہو۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر جب احتساب کا دن قائم ہو گا تو مملکت ان کو بتادے گی کہ انہوں نے کیا کچھ کیا تھا۔

یعنی یہ بیوی کو ماں کہنے کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ یہ تو کوئی خفیہ سازش ہو رہی تھی۔ جو بے نقاب کی جا رہی ہے۔ اگلی آیت میں مزید واضح کیا گیا ہے۔۔۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ()

کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں خفیہ سرگوشیوں سے روکا گیا تھا پھر بھی وہ وہی کیے جاتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ یہ لوگ چھپ چھپ کر آپس میں گناہ زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم سے اس انداز سے حیات آفرینی کی باتیں کرتے ہیں جس طرح مملکت الہیہ تم لوگوں کے ساتھ حیات آفرینی نہیں کرتی ہے اور یہ اپنے لوگوں میں کہتے ہیں کہ ہماری باتوں پر ہمیں مملکت کیوں نہیں سزا دیتی ہے۔۔۔ تو ایسے لوگوں کا حساب جہنم ہے یہ اس میں گریں گے اور بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ "ظہار" کا مسئلہ بیوی کو ماں کہنے کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ حکومت کے خلاف دھونس دھاندلی اور زیادتی کا مسئلہ تھا جس کے لئے وہ خفیہ سازشیں کر رہے تھے۔ اس لئے ان کو روکا گیا اور بطور سزا ان کو کہا گیا کہ اس سے پہلے کہ تم معاشرہ میں مقام حاصل کرو تم کو چاہیے کہ تم یا تو ایک ایسی تحریر دو جس کے ذریعے تمہاری گردن پکڑی جاسکے۔ اور اگر پھر بھی تم باز نہ آؤ تو تمہاری ان دو حالات کے مطابق اصلاحی تربیت ہو گی اور اگر تم اس کے قابل نہیں تو تم کو مساکین کی ضروریات کا انتظام کرنا ہو گا۔

اوپر کی آیات میں "طعام مسکین" اور "کسوۃ" کے الفاظ غور طلب ہیں۔ **طعام مسکین** اور **کسوۃ** سے مراد صرف کھانا اور پہننا لیا جاتا ہے۔

طعام :۔ صرف کھانے پینے اور کسوۃ صرف کپڑے کا نام نہیں۔ طعام سے مراد تمام جسمانی ضروریات ہیں جس میں کھانا پینا بھی شامل ہے طعام اور رزق کا اطلاق انسان کی نہ صرف معدہ کی ضروریات ہیں بلکہ عقلی اور ذہنی ضرورت بھی شامل ہے اس کی تعلیم و تربیت اور ذہنی نشو و نما کے انتظامات طعام کے تحت ہی آتے ہیں۔

کسوۃ :۔ کے معنی جسم کو کپڑے سے ڈھانپنا ضرور ہیں لیکن اس کے معنی شرف و مجد کے بھی ہیں یعنی اس کی عزت و آبرو شرف و مجد کے انتظامات بھی کرنا ضروری ہیں۔ سورۃ مجادلہ میں جس صوم کا ذکر ہے وہ ہے ان دو حالات کے لئے تربیت جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ یعنی کفر کی روش کو ترک کر کے ایمان کی تعلیمات سے مستفید ہونا۔

جیسا سورۃ مجادلہ کا موضوع ہی ظہار یعنی اسلامی ریاست کے خلاف سازشوں کے ذریئے غلبہ حاصل کرنا ہے اس لئے اس صورت حال کے پیش نظر انکو ان دو حالات کے تحت (**شہرین**) ایسی تربیت دی جائے جو انکے لئے باعث اتباع ہو۔ آیئے اس کا لغوی لحاظ سے ترجمہ پیش کرتے ہیں جو قرآن کے مقصد نزول سے مطابقت رکھتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ () فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ()

اور وہ لوگ جو اپنے کمزور افراد کو دھونس دھاندلی سے قابو میں کرتے ہیں پھر بار بار اسی بات کا اعادہ کرتے رہتے ہیں تو ان کے لئے ایک تحریر (حلف نامہ) دینا ہے جس کے ذریئے اس سے پہلے کہ وہ پھر سے تعلق قائم کریں ان کی گردن زنی کی جاسکے۔ یہ وہ بات ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور مملکت الہیہ (یعنی قوانین قدرت مبنی حکومت) تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ پس اگر کوئی اس نصیحت کو نہیں نبھاتا تو اس کے لئے ان دو حالات (یعنی کفر کی روش کو چھوڑنا اور ایمان کی روش کو اختیار کرنا) کے تحت تربیت دی جائے گی اس سے پہلے کہ یہ اپنے ان افراد سے ملیں جن کو انہوں نے کمزور بنادیا تھا۔ اور اگر یہ تربیت کے پروگرام میں شریک نہیں ہوسکتے تو ان کو ساٹھ مساکین کی تمام ضروریات کی ذمہ داری اٹھانی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ تم مملکت الہیہ کے احکامات کے ذریئے امن قائم کرو اور یہ قوانین قدرت کی حدود ہیں اور انکار کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

سیدہ مریم کا صوم

سورۃ مریم میں سیدہ مریم کے صوم کا بھی ذکر ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کے انہوں نے صرف ایک ہی روزہ رکھا۔ آیت نمبر 26 میں ارشاد ہے۔۔۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ()

کھا اور پی اور مطمئن رہ پس اگر تو کسی بشر کو دیکھے تو کہنا کہ میں نے رحمن کے لئے ایک روزہ واجب قرار لیا ہے۔ پس آج کے بعد میں کسی انسان سے کلام نہیں کرونگی۔ (عمومی ترجمہ)
دیکھئے اس ترجمے سے ہی مریم کے روزے میں چند چیزیں بڑی واضح ہیں۔۔۔

ا۔ مریم کے روزے میں کھانے پینے کی اجازت تھی۔

۲۔ مریم کو روزے کے دوران بولنے کی اجازت بھی تھی۔

۳۔ مریم نے صرف ایک روزہ رکھا جو ہر وقت کا روزہ تھا۔ اس لئے کہ جب کبھی بھی وہ بشر کو دیکھے تو کہے کہ اس نے رحمان کے لئے روزہ رکھا ہے۔ ضروری نہیں کہ بشر صرف دن میں ہی ان کے سامنے آیا ہو۔

۴۔ مریم نے روزہ اللہ یا رب سے منسوب کرنے کی بجائے رحمن سے منسوب کیا ہے۔۔۔۔۔

دیکھ لیجئے کہ سے کہا جا رہا ہے " فَكُلِي وَاشْرَبِي " (پس تو کھا اور پی) مریم کے روزے میں کھانا پینا جائز تھا۔ لیکن جب مذہبی پیشوائیت سے پوچھا جائے کہ ایسا کیوں ہے تو جواب ملتا ہے کہ انکی شریعت میں کھانے پینے کا روزہ نہیں تھا بلکہ بولنے کا روزہ تھا۔ لیکن آیت کا اگلا حصہ اس بات کی نفی کر رہا ہے جس میں ارشاد ہوا کہ اگر تو کسی بشر کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمن کے لئے ایک روزہ لازم کر لیا ہے۔

یاد رکھئے سیدہ مریم کے اس روزہ میں بات کرنے کی کوئی ممانعت نہیں تھی یہ سب منگھڑت یہودی اور ان سے مرعوب لوگوں کی خود ساختہ کہانی ہے بلکہ ان سے تو اعلان کروایا جارہا ہے کہ ”جب تو کسی بشر کو دیکھے تو اعلان کر دینا کہ میں نے رحمان کے لئے ایک روزے کو لازم کر لیا ہے“۔ کیا یہ اعلان بغیر آواز کے تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ جواب ملتا ہے۔۔۔۔۔ کہ انہوں نے اشارہ سے بات کی ہوگی یعنی ہر جواب غیر منطقی۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر اشارہ کرنے کی بات ہوتی تو حکم ہوتا کہ اشارہ کر دینا۔ قول کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ یہ زبان سے کہنے کی بات تھی۔

دوسری بات یہ کہ قرآن جب کہہ رہا ہے کہ یہ روزے تم سے پہلوں پر بھی فرض کئے گئے تھے۔۔۔۔۔ تو پھر اتنی کہانیاں بنانے کی کیا ضرورت؟ تیسری بات یہ کہ خالق اپنے قوانین نہیں بدلتا تو پھر یہ روزے کیونکر بدل گئے؟ ارشاد باری تعلی ہے۔۔۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ

اس نے تمہارے لئے دین سے وہی شریعت مقرر کی ہے جس کی وحی نوح کو کی تھی اور وہی تمہاری طرف وحی کی ہے جس کا حکم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کیا تھا کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

دیکھ لیجئے کہ ہمارے مذہبی پیشوا قرآن سے کتنی لاعلمی کا شکار ہیں کہ وہ ہزاروں شریعتیں بنائے بیٹھے ہیں۔ اگر مریم بھی اسی شریعت پر عمل پیرا تھیں جو رسالتماب کو دی گئی تھی تو یقیناً انہوں نے بھی روزے کے اسی حکم پر عمل کیا تھا جس کا حکم رسالتماب کو دیا گیا تھا۔ اگر سیدہ مریم کے روزے میں کھانا پینا جائز تھا تو رسالتماب کے روزے میں بھی کھانا پینا جائز ہے۔ سیدہ مریم کے روزے سے متعلق اس ضمنی بحث کے بعد آیئے واپس سیدہ مریم کے روزے کی طرف

سیدہ مریم کے پاس ایک مزکی غلام لایا گیا تھا۔ آیت نمبر 19 میں بتایا جارہا ہے کہ رب نے مریم کے پاس ایک رسول بھیجا جس نے کہا۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّکِ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا

اس نے کہا میں تو صرف تیرے رب کی طرف سے بھیجا گیا ایک رسول ہوں تا کہ تجھے ایک "مزکی غلام" دوں۔

دیکھئے اس آیت میں رسول کے آنے کی غایت بتائی جا رہی ہے کہ وہ ایک مزکی غلام دینے آیا ہے۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اس غلام کی کیا کیا خصوصیات ہیں۔ اس آیت میں غلام کی دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

ا۔ مزکی

۲۔ غلام

اگر کسی کو مزکی کہا جائے تو وہ بچہ یا شخص انتہائی عقل مند تیز اور صاحب علم ہوتا ہے۔ یعنی جس وقت اس غلام کو سیدہ مریم کے پاس لایا گیا تو وہ علم و عقل کے لحاظ سے کامل تھا کوئی نومولود بچہ نہ تھا۔ دوسری بات اس غلام کی عمر چھوٹی نہ تھی غلام کی عمر وہ عمر ہوتی ہے جب انبیاء کو نبوت ملتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں بارہا جگہ بتایا گیا مثلاً یحییٰ کو غلام کہا گیا، سیدنا موسی کے ساتھ ایک غلام تھا، سیدنا موسی کی ملاقات دو غلاموں سے ہوئی، سیدنا یوسف جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچتے ہیں اور علم و عقل پر پوری طرح دسترس رکھتے ہیں تو ان کو غلام کہا گیا۔

یعنی سورۃ مریم میں جس مزکی غلام کی بات کی جا رہی ہے وہ بھرپور جوان تھا اور عقل و علم کے لحاظ سے کامل تھا۔۔

آیت نمبر 22 میں ارشاد ہوا۔۔۔

فحملتهُ ۔ جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے "پس اس کو حمل ٹھہر گیا / وہ حاملہ ہو گئی" حالانکہ حمل کے معنی ذمہ داری کے ہوتے ہیں۔ اس مادہ سے بنے الفاظ "متحمل" اور "احتمال" میں ذمہ داری کا پہلو موجود ہوتا ہے۔

''فحملته'' اس نے اس کی ذمہ داری اٹھائی اور اس جوان کی تربیت شروع کی جس میں رحمت کا پہلو نمایاں تھا۔ اسی لئے اس غلام کی تربیت کو صوم کہا گیا ہے اور صوم کا نمایاں پہلو رحمت جس کو رحمن سے منسوب کیا گیا اس لئے کہا گیا۔۔۔

فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ()

پس اگر کوئی بشریت کی بات دیکھے تو اعلان کرنا کہ میں نے تورب کی رحمت کے لئے ایک صوم یعنی ایک مزکی انسان کی رحمانی تربیت کی ذمہ داری اٹھائی ہے پس میں انسانی احکامات پر مبنی بات پر کلام نہیں کرونگی۔

اگر ذہن میں چند باتیں پہلے سے واضح ہوں تو سمجھنے اور سمجھانے میں مشکل نہیں ہوتی۔ مثلاً اس آیت میں لفظ ''بشراً'' آیا ہے۔ ارشاد ہوا۔۔۔

فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ

اگر تو ذہن میں بشر ایک اسم جنس کے طور پر ہو تو یقیناً کسی انسان کی طرف اشارہ ہے اور اگر مصدر کے طور پر ہو تو اس سے تمام وہ باتیں جو بشری ہوتی ہیں مراد ہونگی اگر مقصد کا فرق ہو تو مفہوم بدل جاتا ہے۔ لیکن قرآن خود اپنی بات دوسری جگہ کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ اسی آیت میں۔۔

فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا

کہہ کر واضح کر دیا کہ یہ کسی شخص کی بات نہیں ہو رہی تھی بلکہ 'انسیا' یعنی انسان سے متعلق بات تھی "اِنْسِيًّا "دو الفاظ کا مرکب ہے اِنْسِيًّا میں کلام ''انس'' کی طرف منسوب ہے اور ''ی'' یائے نسبت ہے اس اعتبار سے انسی اس کو کہا جائے گا جو کثیر الانس ہو اور جس سے انس کیا جاسکے۔ اس لئے کہا گیا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ''میں آج سے کسی انسانی کلام سے متعلق کوئی بات نہیں کرونگی'' بلکہ رحمانیت کے حوالے سے ہی بات ہو گی۔ مریم کو ایک ایسے

شخص کی تربیت کی ذمہ داری دی گئی تھی جو انتہائی فہم و عقل اور سمجھ بوجھ میں تیز تھا۔ جسے رحمن کی رحمانیت سے روشناس کرانے کی ذمہ داری مریم پر ڈالی گئی تھی۔